عذاب قبر کے متعلق احادیث

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متواتر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد جب اسے قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور گزشتہ اعمال کے متعلق اس سے سوالات کرتے ہیں اگر وہ ایماندار اور نیک ہو تو اعمال حسنہ کے ساتھ ساتھ اس کے لئے جنت کی بشارت دی جاتی ہے اور اگر کافر بے ایمان اور منافق ہو تو اسے سخت عذاب کی خبر دی جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ

اس قسم کی روایات بخاری و مسلم۔ ان کتاب عذر کے بعد حدیث کی صحیح ترین کتابیں ہیں۔ اور ان کے علاوہ دوسری کتب احادیث میں بھی موجود ہیں۔

عذاب قبر کا ذکر قرآن میں | نیز خود قرآن پاک نے کئی مقامات پر اسے بیان کیا ہے:۔

مِمَّا خَطِيٰٓـٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا	وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے
فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ	اور آگ میں داخل کر دیئے گئے اور انہوں نے اللہ کے
دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا (نوح)	سوا اپنے لئے کوئی مددگار نہیں پایا۔
فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا	خدا نے نوح اور لوط کی بیویوں سے کہا

أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۔ اے آلِ فرعون اس سے سخت عذاب میں

(المومن ع ۵) داخل ہو جاؤ۔

سورہ واقعہ کے آخر میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے والوں کو حکم دیا کہ اپنی نماز کے آخر میں عذاب قبر سے پناہ مانگا کریں چنانچہ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جس آدمی نے اپنی نماز میں عذاب قبر سے پناہ نہیں مانگی اس کی نماز صحیح نہیں۔

عذاب قبر کے متعلق موجودہ زمانہ کے بعض بیتلوں کے شبہات

جو لوگ مادہ اور اس کی حرکت کے قائل ہیں اور جو کچھ محسوس کرتے ہیں وہ عذاب قبر کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

(۱) ہم مردہ کو اپنے سامنے لیٹا دیکھتے ہیں۔ اس میں نہ حرکت ہوتی ہے نہ احساس، اور نہ شعور۔ ان میں سے کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس پر عذاب کر سکے۔ پھر عذاب قبر سے کیونکر بچ سکتا ہے؟ بیان کردہ روایات کا صحیح مطلب یہ ممکن ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ مردے کے پاس فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے اور اس سے سوال کرتے ہیں اور وہ انہیں جواب دیتا ہے۔ سوال کا شروع ہوتا ہے تو اسے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں آپس میں پیچ جاتی ہیں اور کہ مؤذن بتاتا ہے تو اسے [illegible]

بِسَ اللّٰهِ كَنْتُمْ وَقَبْلَ	فرعونیوں کی نجات تک اور وہ دونوں اللہ کے
اَدْخُلُوا اَنْتُمْ وَمَنْ	فضل ان کے کسی کام نہ آسکے اور ان سے
اَلنَّارَ خَيْبَتْ	یہودیوں سے کہا گیا کہ داخل ہونے والوں کے
(السجدہ)	ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ
قِيْلَ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ	اس سے کہ گیا کہ جنت میں داخل ہو جا اس
قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ	نے کہا کاش میری قوم کو علم ہوتا کہ کس چیز
بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ	میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے
الْمُكْرَمِيْنَ (یٰسین۔ رکوع ۲)	باعزت بنایا
وَمَا كَانَ لِلظّٰلِمِيْنَ	اس حالت میں کہ ظالم بے انصاف لوگ
فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ	موت کی سختیوں میں مرتے ہیں اور فرشتے اپنا
بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا	ہاتھ بڑھاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں
اَنْفُسَكُمُ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ	اپنی جانوں کو باہر نکالو آج تم کو رسوائی کا عذاب
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ	بدلہ میں دیا جائے گا اس لئے کہ تم اللہ پر ناحق
غَيْرَ الْحَقِّ (الانعام رع ۱۱)	بات کہتے تھے
وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ	اور آل فرعون کو برے عذاب نے آگھیرا
الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا	صبح اور شام انہیں آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور
وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ	جس دن قیامت قائم ہوگی ان سے کہا جائیگا

[illegible] ہوتی ہیں۔

[illegible] کوئی مذہب نظر آئے گا، جو مردہ [illegible]

[illegible]

[illegible] اور اس کے یکسر خلاف ہے اور ہمارا خیال ہے کہ [illegible] دلیل کو پیش کرتا ہے اس میں حس و مشاہدہ کی قطعیت [illegible] حس عقل کو دی ہے جو حس حقائق [illegible] کرتا ہے۔ لہٰذا پیامبر پر نکتہ چینی کرنا ممکن نہیں ہے [illegible] پیغام بر کے بھیجنے والے (یعنی عقل) پر نکتہ چینی [illegible]

[illegible] عذاب قبر کو صحیح کہنا تو ایسا ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ بچھو اور جمادات [illegible] سامنے موجود ہیں، انہیں عذاب ہو رہا ہے اور وہ اسے محسوس کر رہے ہیں [illegible] نکتہ چینی برسائی جا رہی ہیں اور وہ ان کا شعور رکھتے ہیں۔ یہ آپس میں بوتے اور سمجھتے ہیں اور چیختے پھرتے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی بھی چیز کسی بھی عقل و صواب سے دور کا واسطہ ہو؟

عذاب قبر کے متعلق اس قسم کے متعدد شبہات [illegible] کے اثر ہوتے ہیں [illegible] دلائل میں بہہ جاتے ہیں۔ ایک فریق اس کے رد ہونے کے متعلق [illegible] [illegible] وفات سے اسلام میں جرح و تعدیل کو موجب سمجھتا ہے لیکن

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ایک مسلمان کے لیے اس کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی عبادت کا لمحہ ہے۔ اس کا ہر عمل اللہ کی عبادت کا عمل ہے۔ اس کا ہر کام اللہ کی عبادت کا کام ہے۔ اس کا ہر قدم اللہ کی عبادت کا قدم ہے۔ اس کا ہر سانس اللہ کی عبادت کا سانس ہے۔ اس کا ہر لفظ اللہ کی عبادت کا لفظ ہے۔ اس کا ہر خیال اللہ کی عبادت کا خیال ہے۔ اس کا ہر جذبہ اللہ کی عبادت کا جذبہ ہے۔ اس کا ہر ارادہ اللہ کی عبادت کا ارادہ ہے۔ اس کا ہر فیصلہ اللہ کی عبادت کا فیصلہ ہے۔ اس کا ہر عمل اللہ کی عبادت کا عمل ہے۔ اس کا ہر کام اللہ کی عبادت کا کام ہے۔ اس کا ہر قدم اللہ کی عبادت کا قدم ہے۔ اس کا ہر سانس اللہ کی عبادت کا سانس ہے۔ اس کا ہر لفظ اللہ کی عبادت کا لفظ ہے۔ اس کا ہر خیال اللہ کی عبادت کا خیال ہے۔ اس کا ہر جذبہ اللہ کی عبادت کا جذبہ ہے۔ اس کا ہر ارادہ اللہ کی عبادت کا ارادہ ہے۔ اس کا ہر فیصلہ اللہ کی عبادت کا فیصلہ ہے۔

پھیر کر نہ چھینیگر اور نہ غوطہ کرے گا۔ ایسی صورت میں ان تمام موجودات کا
وجود اس کے لیے نہ ہونے کے برابر ہو جائے گا۔ انہیں کسی طرح محسوس نہیں کر سکتا۔ اور
کیا اس کا فقدان اس چیز کے فقدان پر دلیل ہو گا جس کے محسوس
نہیں ہو سکتی؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان لوگوں کا عذاب قبر کو محسوس نہ
کرنا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں ہے کہ عذاب قبر کا کوئی وجود ہی
نہیں ہے۔

دراصل ان لوگوں نے جلد بازی سے کام لیا کہ ہاں ہو سکتے تجھے عذاب قبر
سے انکار کر دیا۔ انہیں چاہیئے کہ ہمارے مسلک کو بالتفصیل کر غور سے دیکھیں۔ اس
لیئے کہ اس میں ان کے اطمینان و تسکین کا سامان موجود ہے۔ ہم روحوں کی بقا
سے پہلے اگر ہم کہتے کہ فلسفہ نے آسمانی روحوں جیسے ہمنے سے بیان کیا ہے
زمینی روح حیوانات سے بھری ہوئی ہے جو ہمنے کی بیماریوں کا باعث
ہیں اور نہ مخترع کے شکایت کرتے ہیں تو کوئی شخص ہماری بات نہیں مان سکتا
تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ناظرین جب ان دو قسم چیزوں کو قطعی طور سے سمجھ
لیں گے، تو ان پر کہ عذاب یا نعمت کا اشکال حل ہو جائے گا۔ عالم روحانی
کے پہچاننے والے کا انتقال کر لینے کے بعد نہیں معلوم ہو جائے گا کہ کیا وہ
راحت جسم و روح دونوں پر ہوتا ہے یا محض روح پر معاملہ کیسا ہے۔ ابھی ہے کہ ہمارا

بنا پر اس کا انکار نہیں کرتے کہ اس کی تکلیف ہمارے مشاہدے میں نہیں آتی۔ بسا اوقات ایک جاگتا ہوا آدمی اگرچہ اپنے جسم اور نفس میں سخت عذاب اور تکلیف پاتا ہے لیکن ہمارے سامنے اس طرح بیٹھا ہوا ہے گویا اسے کوئی تکلیف نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر کے متعلق شبہ — جو محض اس بنا پر ہے کہ ہم اس عذاب کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ انتہائی کمزور اور بے بنیاد شبہ ہے کوئی متفنن یہ نہیں کہتا اور نہ کہہ سکتا ہے کہ "تمام موجودات محسوسات میں ہی گنی ہیں اور جو چیز محسوس نہیں ہوتی اس کا وجود بھی نہیں ہے"۔

اب فرض کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بغیر قوت سامعہ کے پیدا کیا ہے اور یہ کسی آواز کو نہیں سن سکتا۔ کیا اس صورت میں سارے آدمی کو یہ سننا اس بات پر دلیل ہو سکتا ہے کہ آواز کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے؟ کیا بہرے آدمیوں — جو ہمارے درمیان کافی تعداد میں موجود ہیں — آواز کے وجود سے انکار کرتے ہیں؟ بہرے آدمی کا آواز کے وجود سے انکار کرنا بالکل ایسا ہوگا جیسا کہ لوگ محض اس بنا پر عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں کہ وہ اسے دیکھتے نہیں ہے اور محسوس نہیں کرتے ہے۔

یا فرض کر لیجئے کہ نوع انسانی کو حواس خمسہ سے محروم پیدا کیا گیا ہے اور وہ موجودات میں سے کسی چیز کو بھی محسوس نہیں کرتی نہ سن کر نہ دیکھ کر نہ

لولا بنو اسرائیل لم یخنز اللحم

اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑتا

[illegible] فرمایا ہے [illegible] کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑتا

[illegible] بنی اسرائیل [illegible] گوشت [illegible]

[illegible] بعض لوگ اس حدیث کی تفسیر کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل سے پہلے دنیا میں کوئی نمکین چیز موجود نہ تھی جس سے گوشت کی حفاظت کی جاتی۔ بنی اسرائیل نے جب نمک کی تجارت شروع کی تو لوگوں نے گوشت کی حفاظت کے لئے نمک استعمال کرنا شروع کر دیا۔ [illegible] گوشت کو [illegible] کھانا [illegible] شروع ہوئی۔ قریب [illegible] بنی اسرائیل [illegible] نمک [illegible] اور مال [illegible] چیزوں [illegible] سے [illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible] اسی طرح اگر خواہ مخواہ کوئی دوسرا بیٹے خاوند کی فرمانی نہ کرتی اور
[illegible] اس نے [illegible] کام کیا تھا [illegible] اپنی عورت پہنے
[illegible] اپنی [illegible] دوسرے دستور [illegible] اس کی خیانت سے [illegible]
[illegible] کہ اس نے [illegible] کو [illegible] کھانے پر بھاڑا اس سے [illegible]
[illegible] اس نے [illegible] اس کی قسم کی خیانت کی اس صورت میں [illegible]
کا مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو کسی کو فرمانی کی شامت [illegible]
[illegible] لوگوں کو [illegible] کہ وہ اس کے نقش قدم پر چلیں [illegible]
[illegible] اپنے [illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] سوال حدیث سے [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ [illegible] صحیح نہیں ہے تو [illegible] کا مطلب
[illegible] ہے۔

حدیث کا صحیح مطلب حدیث کے بارے میں صحیح و مقبول رائے وہ
ہے جو دمشق کے محدث علامہ محمد بہجۃ البیطار نے ظاہر کی ہے۔

[illegible]

[illegible] کے فساد کی تشریح

[illegible] گئے [illegible] سے اس [illegible] عام [illegible]

[illegible] اصل [illegible]

[illegible] قدم پہ چلتے ہوئے [illegible] گوشت [illegible]

[illegible] سے سمجھ نہ ہو سکا اور اس میں بھی کسی طرح [illegible]

[illegible] حدیث کے مشابہ آنحضور کی یہ حدیث

ہے ۔

لا [illegible]	[illegible]
[illegible] ذلك	[illegible]
[illegible] القتل	[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شیطان کا انسان کے جسم میں گردش کرنا

[illegible] کی [illegible] سے [illegible] کر [illegible] کو [illegible] کی [illegible] اور [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] ہیں۔ جب تک کہ ہاتھوں سے چھو
[illegible] سکیں نہ دیکھ لیں۔ لیکن اگر یہ لوگ کہ جن حقیقت کو جان لیں کہ جن
[illegible] بھی پورے جسم میں دورہ کرتی ہے۔ عذاب قبر کے بارے
[illegible] دلائل دے چکے ہیں"۔ تو ان کے لئے اس
بات پر یقین لانا آسان ہو جائے گا کہ شیطان بھی خون کی طرح انسان کے
جسم میں پھیلتا ہے اور روح کی طرح جسم میں گردش کر سکتا ہے۔ اگرچہ وہ سے
نہ محسوس کر سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔

اب یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسان کے مذہبیت سے انکار کرنا تاثرات
[illegible] محسوس طریقہ پر جاری ہیں تو ان کے لئے یہ جان لینا نہایت
آسان ہو گا کہ خون کی طرح شیطان بھی غیر محسوس طریقہ پر انسان میں جاری ہوتا
ہے تب وہ جان لیں گے کہ جب شیطان انسان کے جسم میں اس کے خون
[illegible] اس طرح گردش کرتے ہیں کہ جس سے ان کی انسان پاگل ہیں
ہوتا وہ نہ انہیں دکھائی دیتے۔ بلکہ اگر خوردبین نہ ہو تو وہ انہیں معلوم کرنے
سے بھی قاصر رہتے ہیں تو خون کے لئے خون کی مانند شیطان کے جاری
ہونے پر بھی ایمان لانا آسان ہو جائے گا۔

جو آدمی شیطان کے جسم میں جاری ہونے یا اس کے موجود ہونے کا اس
[illegible] کرتا ہے کہ وہ [illegible] اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے

احادیثِ انشقاقِ قمر

چاند کے پھٹنے کی حدیثیں

بخاری مسلم اور بہت سے مفسرین محدثین اور سیرت نگاروں نے جن میں ان گنت طریقوں سے متعدد صحابہ سے یہ روایت نقل کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں جب مکہ کے مشرکوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کی صداقت پر نشان کا مطالبہ کیا تو اس وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں سے فرمایا: "شہادت دو یہ دیکھو میری صداقت کی نشانی"

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ مسلمانوں کے درمیان اتنا مشہور ہے کہ کتابوں کی کتابیں بھری ہیں اور اس کی روایت کے متعدد طرق اسناد بیان کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ متواتر روایت سے ثابت ہے اور لکھتے ہیں کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ کوئی عالم بھی اس کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح سلف مفسرین مثلاً ابن جریر، ابن اسحٰق، بیہقی، ابن عساکر

ں کا نشان نہیں ہوتا۔ پھر شیطان کے نسانی جسم میں جاری ہونے
ں کرنٹ کی بجلی سے کیا ہی کم ہے محسوس نہیں کرتے؟
کہ اس دنیا سے بھی نسلی نہ ہو تو ہم کہیں گے کہ اس بجلی پر نور
کہ جو پورے کائنات میں موجود اور اس کی ہر چیز میں جاری ہے۔
حالانکہ سوائے بہت خاص حالت کے ہم اسے دیکھتے ہیں اور نہ محسوس
کرتے ہیں۔ سمجھ لیں کہ گئی تین بجلی سے کوئی وقف نہ تھا اس
کے باوجود وہ ہمارے ہر گھر کی ہر چیز میں یہاں خود ہمارے اپنے جسم
میں بھی موجود تھی۔

ن ت ن کے بعد شیطان کے وجود کو نسانی ہم میں اس کی گردش
سے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ سب کی یہ مذہبی شیطان نہ نظر آنے
والی مخلوق ہوتا ہے۔ ی ن ن د ے جنہیں خدا اور رسول کی
ے دوئی کام نہیں۔ اور جنہیں نیکی کرنے کے لیے دعا اور اغراض
کی ضرورت ہے۔

ہے جن کی تکذیب کرنے والوں کے لئے تنبیہ کرنے کے ذریعے
قدغن بنے بندوں کو ڈرانے کے لئے زمانہ سے بیان کرنے
ان لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے جن کی قدرت دنیا میں
ان کی دل میں حکمت ہیں سے کہ وہ بیان کرنے کے لئے
نہیں آتیں۔

اس آیت سے کئی وجہ کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ معجزہ زمانہ ماضی میں
واقع ہو چکا ہے۔

۱۔ آیت میں فعل ماضی بیان کیا ہے یعنی انشق القمر چاند پھٹ گیا
ہو گیا۔ اہل عرب فعل ماضی کو جملہ کے دوسرے قرائن سے خالی ہو صرف زمانہ
ماضی کے لئے استعمال کرتے ہیں فعل ماضی سے حال یا مستقبل کا
لینے کی صرف دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اس کو وہ صورت دینا مقصود ہو جس کے
ساتھ کوئی ایسا طریقہ لایا جائے جس سے معلوم ہو کہ یہاں گذشتہ زمانہ
نہیں ہے یا خود وہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو مثلاً جب کہنے والے
سے مسافر فلاں یا ھلک فلان تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ فعل زمانہ
ماضی میں وقع ہو چکا ہے۔ اسی طرح جب قرآن کہتا ہے کہ ہم نے نوح
ابراہیم فلاں اور فلاں کو اپنی قوم کی طرف بھیجا اور ہر ایک نے اپنی قوم سے
کہا" تو سننے والے سوائے اس کے اور کیا معنی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ فعل گزشتہ

کسی نے اس بارے میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔

انشقاقِ قمر کا واقعہ قرآن میں | ان متواتر احادیث کی تائید قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے جس سورۃ قمر کے شروع میں ارشاد ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ	قیامت قریب آئی اور چاند پھٹ گیا
الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا	اور یہ کافر جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں
وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ وَكَذَّبُوْا	منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ
وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ	ہمیشہ کا جادو ہے اور انہوں نے
مُّسْتَقِرٌّ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ	جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی
الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ	پیروی کی اور ہر کام کا وقت
فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ	مقرر ہے اور ان کے پاس
	بعض وہ خبریں پہنچ چکی ہیں
	جن میں روک ہے پوری حکمت
	ہے پھر ڈر سنانے والے
	کچھ کام نہیں دیتے

اس واقعہ کی عظمت اور شہرت کے باعث اس سورہ کا نام بھی سورہ قمر ہوا۔ یوں سورت کی ابتدائی آیت مذکورہ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں انشقاقِ قمر ہوا۔ اور جب مشرکین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور سرکشی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے۔ نیز آیت سے یہ بات بھی صریحاً معلوم ہوتی ہے کہ انشقاقِ قمر ان بڑے امور میں سے

موئے زمانے میں ہو چکا ہے۔ اسی طرح جب قرآن کہتا ہے کہ:۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ	یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے عیسیٰ سے کہا تھا کہ
مُتَوَفِّيْكَ (آل عمران ع ۶)	میں تمہیں اپنی طرف پوری طرح لے آنے والا ہوں۔
وَاِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى	اور جب ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی
وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ	اور جب ہم نے حواریوں کی طرف وحی کی
اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ (مائدہ ع ۳)	مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ

تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن کے کریمی دور میں ماضی کا صیغہ مستقبل کے معنی میں سمجھنے۔ اور اس طرح تمام ہی فعل ماضی استعمال کیے ہیں یہ سخت غلطی ہے۔ اس سے ہی یہ فعل سمجھ جائے گا کہ یہ گذشتہ زمانہ کی بات ہے جب کوئی شخص کہتا ہے کہ سوف یکون ایسا ہوگا۔ اور سوف افعل میں یہ کام کروں گا، تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فعل ابھی واقع نہیں ہوا بلکہ آئندہ زمانہ میں واقع ہوگا۔ اسی طرح جب امر یعنی وہ کام کرنے والا دوسرے شخص سے کہتا ہے فعلت میں نے کیا، تو وہ جب ہے کہ یہ زمانہ گذشتہ کی بات ہے۔

بہرحال فعل ماضی کا لفظ جس کے لئے مستقبل مروج ہے وہاں کلام میں کوئی ایسا قرینہ ہوتا ہے جو اس فعل کو صراحۃً زمانہ مستقبل کے لئے مخصوص کر دے۔ اس کی مثال قرآن کی یہ آیت ہے اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ۔ گو اس کے لفظی معنی ہیں "اللہ کا حکم آیا" لیکن مراد وہ حکم ہے جو ابھی تک نہیں آیا

اگر یہ جائے کہ واقعی معاملہ تو یوں ہی ہے جس طرح تم کہتے ہو فعل بھی
جنی ہے اور یہ مدین نبی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انشقاق بھی ہو چکا ہے
لیکن ہمارا مستدل انشقاق قمر کے معنوں میں سے ہو رہا ہے کہ انشقاق
قمر سے مراد ہے معاملہ کا خوب نیچ اور بین ہو کر سامنے آجانا کو اس سے
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور رسالت کے ظاہر ہو جانے کی طرف
اشارہ ہے۔

[illegible] جواب یہ ہے کہ اہل عرب کی [illegible] کبھی
وسیع کلمہ کے معنوں میں [illegible] استعمال نہیں [illegible]
بلکہ صرف [illegible] کے [illegible]
[illegible] ہے یہ ہی کلمہ [illegible] کے معنی
[illegible] ہے [illegible]
معاملہ [illegible] کی [illegible]
کہ [illegible] کے لیے [illegible]
ہوتا [illegible] کہ [illegible]
[illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہے [illegible]

[illegible] جنے کی تاویل کی ہے حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ میں
[illegible] کی تاویل کی ہے حضرت داؤد و حضرت سلیمان کے عجیب و غریب
معجزات کی تاویل کی ہے اگر انشقاق قمر کی تاویل مشکل نہیں ہے تو ان
تمام اسلام کے معجزات کی تاویل بھی مشکل نہیں ہے۔ ایک فرقہ نے ان
معجزات کی تاویل کی ہے جسے خود معجزۂ انشقاق قمر کے منکرین بھی گمراہ اور
قابل ملامت ٹھہراتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ عیسیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے
کا مطلب دراصل یہ ہے کہ وہ گمراہوں کو گمراہی سے [illegible] کرتے
تھے۔ کوڑھیوں و مریضوں کو شفایاب [illegible] کی تاویل
یہ کوڑھیوں و مریضوں سے بھی [illegible] کی جا سکتی ہے
اس صورت میں [illegible] کرنے کا کوئی معجزہ نہیں رہ جاتا پھر بڑے
[illegible] کی [illegible] معجزات کی تاویل بھی کر سکتے ہیں حقیقت
[illegible] کی [illegible] کی [illegible] سے اس کے ان تمام
معجزات کی [illegible] کی [illegible] انشقاق قمر کی جو بھی تاویل کی
جائے گی وہ جمع صحیح و بدیہی سے خلاف ہوگی۔

[illegible] کہ [illegible] عیسیٰ کا کوڑھیوں کو
شفایاب کرنا مردوں کو زندہ کرنا قرآن سے ثابت ہے جبکہ انشقاق قمر
کا معجزہ قرآن کی آیت اقتربت الساعۃ سے اور ان احادیث

[illegible] کہتے ہوتو آیت میں [illegible] ابتدا بعرض
[illegible] ۔ یعنی فعل مضارع کی بجائے فعل ماضی
[illegible] ۔ یعنی واقعہ قریب ہے
[illegible] کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ آیت کے معنی دراصل
[illegible] کہ جب بھی وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں اس سے عرض کرتے ہیں
[illegible] اور عرض کی عادت و شیوہ سے یہ معنی صرف قطعاً مراد
[illegible] سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل مضارع کی [illegible]
[illegible] کے لیے [illegible] ہوتے ہیں جیسا کہ [illegible]
[illegible] ۔ اس قول کی [illegible] ہے
[illegible] ۔ اس [illegible] ہے
[illegible] ۔ یعنی معجزہ [illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] کی وضاحت کردیتی

کلام عرب میں بہت واضح اور مشہور ہے پس اسی طرح ہو گا کہ
آیت "اقتربت الساعۃ" "انشق القمر" کے فعل لفظاً و معناً دونوں اقتربت
بنی ہوں۔

علامہ ابن حذیفہ بن الیمان جو ایک مشہور صحابی ہیں آیت کو اس طرح پڑھا
کرتے تھے:۔

"اقتربت الساعۃ وقد انشق القمر" — قیامت قریب آگئی اور چاند شق
واقع ہو چکا۔

اس صورت میں ناممکن ہے کہ آیت کو زمانہ مستقبل کے لئے معمول کیا
جائے اس لئے کہ قد اس فعل کے لئے آتا ہے جو حقیقتاً واقع ہو چکا ہو
یا لفظاً زمانہ مستقبل سے قطعی دور ہے۔ یہی معنی اہل نحو کے اس قول کے ہیں
"قد حرف تحقیق ہے"۔

ان تمام امور سے یقینی اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے بہت سے مادی اور تکوینی معجزات سے انشقاق قمر بھی ایک معجزہ
ہے جس کا وقوع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہو چکا ہے۔ مخالفین
کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ شکوک و شبہات کی کوئی ایسی حد نہیں ہے جہاں
پہنچ کر یہ ختم ہو جائیں۔ بلکہ ان کا سلسلہ ناقابل اختتام ہے۔ جو آدمی اپنے آپ
کو ان میں ڈالے گا وہ اسے گمراہی کے تاریک اور گہرے گڑھوں میں پھینک

میں بھی وہ ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے ہم ہرگز یہ جرأت نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی یہ مخالفین اس قسم کی جرأت کر سکتے ہیں کہ جمیع صحابہ کرامؓ تابعین اور ان کے بعد دوسرے اہل علم کی تفاسیر سے ایسی چیزوں کے متعلق اختلاف کریں جن کا وقوع خود انہوں نے یا ان کے باپ دادا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

۵۔ آیت وانشق القمر کا عطف آیت اقتربت الساعۃ پر ہے۔ اب چونکہ معطوف الیہ یعنی اقتربت الساعۃ کا لفظ اور معنا دونوں طرح سے ماضی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ کفار کے لئے ان کا حساب قریب آگیا ہے اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مجھے اور قیامت کو اس طرح قریب قریب بھیجا گیا ہے جس طرح یہ دو انگلیاں۔ لہٰذا لازم ہے کہ معطوف کا فعل بھی اسی طرح لفظاً اور معناً ماضی ہو۔ کیونکہ یہ بات ہرگز درست نہیں کہ کلام عرب میں ایسا کہنا جائز ہے قام فلان وتقعد خالد وفلان کھڑا ہوا اور فلاں بیٹھتا ہے یعنی یہ کہ پہلا فعل لفظاً و معناً ماضی اور دوسرا لفظاً ماضی اور معناً مضارع۔

کلام عرب میں اس قسم کی مثالوں کا پایا جانا نہایت مشکل ہے اسی طرح اگر کہا جائے کہ فلاں آدمی بھاگا اور فلاں آدمی مر گیا تو اس صورت میں جائز ہوگا کہ پہلے کو فعل ماضی اور دوسرے کو فعل غیر ماضی لایا جائے۔ یہ چیز

[illegible] میں موجود تھے [illegible] سب [illegible]

[illegible] ہیں۔ ان کی روایت [illegible] مرسل [illegible]

ہیں۔ [illegible] صحابی تک کیوں نہ [illegible]

پہنچے۔ اس [illegible]

[illegible] سے [illegible] کے [illegible]

[illegible] ضعیف [illegible] دی گئی [illegible]

[illegible] واقعہ شق قمر [illegible]

[illegible] ہونا چاہیے تھا [illegible] مؤرخین [illegible]

[illegible] عجیب و غریب واقعہ [illegible] متواتر [illegible]

[illegible] ہے گر حقیقتاً چاند شق [illegible]

[illegible] اپنی آنکھ [illegible] کیا [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] کا [illegible] جواب [illegible]

[illegible]

جواب اعتراض نمبر [illegible] روایت کے [illegible]

[illegible] عجیب و غریب [illegible]

[illegible] اتفاق [illegible]

دیل گئے جہاں سے خلقان کے لئے آسان نہ ہوگا لہذا مسلمہ کا غرض سے
کہ وہ بنے آپ کو ان سے بچائے رکھے درخت کے حضور ان کے گھنے سے
پانی نکلے۔

قرآن مفسرین کے انہ نے عقلیین اس معجزہ دشق قمر کا تاویلیں
یں جن سے وجوب کو معجزہ ملان بھی عادت شق قمر کی تکذیب ۔۔
قرآنی آیات کی تاویل کر جاتے ہیں اور اس وقعہ پر شک و شبہات کا
اظہار کرتے ہیں ہم ان شبہات کا مختصر جواب عرض کرتے ہیں
۱۔ آیات میں تحریف و نقص | مخالفین نے کہا ہے کہ قرآن میں نقص قمر بنے
کا تین دفعہ ذکر ہے

۲۔ شق قمر کی آیات متضاد و مختلف ہیں ایک روایت
تا ہے کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا تھا دوسری کہتی ہے کہ منیٰ
ں تھے تیسری کہتی ہے کہ یہ واقعہ زمانے میں ہوا تھا
دھتے ہیں کہ ان سے ہم کیوں یہ نتیجہ نکالیں کہ
ہے ہیں کہ ان میں سے کونسی روایت صحیح ہے
ہے ہیں کہ ان میں سے کونسی روایت صحیح ہے
سے ہیں کہ ان میں سے کونسی روایت صحیح ہے

۳۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ان میں سے بعض نے خود
ہیں ان واقعہ مساوہ نہیں دیکھا تو یہ ہے کہ ان کی عمر چھوٹی تھی

پہلی چیز کے وصف میں مختلف تاویلیں بیان کی ہیں
سے مختلف قسم کے اختلاف
کی وجہ سے متعلق اختلاف
نہیں ہوتا کوئی بھی ایسی علامت
کثیر تعداد میں اختلاف موجود ہوتے ہیں
مذکر مؤنث جمع واحد تثنیہ
متعلق بہت سے اختلاف موجود ہیں
فتحہ ضمہ اور نیچے یہ نحوی علی
روزہ رکھتے تھے

اسی طرح بہت سے
وجوہ کے بہت سے مختلف پہلو
ہم آتا ہے کہ ان روایتوں
ساقط ہو جائیں اور ان چیزوں سے

ان مختلف وجوہ میں سے
معتبر ہے ان سے مراد
واقعہ ہو اللہ کریم علی
پر اتفاق ہوتے ہوئے

ہوا تو ہم مکہ میں تھے۔ دوسرے راوی کہتے ہیں "جب چاند میں انشقاق ہوا تو ہم منیٰ میں تھے"۔ دراصل مکہ میں ہونے سے ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے واقع ہوا تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت آگئی ہے کہ یہ واقعہ اس سے کہ ہم مدینہ جاتے۔ مکہ اور منیٰ ایک ہی چیز ہے جو شخص یہ کہہ رہا ہو کہ وہ منیٰ میں موجود تھا اس آدمی کی بابت یہی کہے گا کہ وہ مکہ میں تھا۔ قاموس میں ہے منیٰ بروزن ہدیٰ مکہ کے اندر ایک بستی ہے۔ باقی رہی وہ روایت جس میں کسی مقام کی ذکر نہیں تو اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو ان روایات کے خلاف پیش کیا جا سکتا ہو جن میں مکہ یا منیٰ کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے دیکھا۔ دوسرا کہتا ہے میں نے حضور کو یہی کام کرتے دیکھا۔ تیسرا کہتا ہے میں نے دونوں کو نہیں پایا تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے اول کا بیان دوسرے کے بیان کی روایت کا حال ہے کوئی تناقض ہے۔ جب یہ ظاہر ہے کہ انشقاق قمر کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا تھا۔ ایک مرتبہ انشقاق کے وقت یہ دونوں حضرات مکہ میں تھے اور دوسری مرتبہ کے درمیان دیکھا گیا۔ ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ لہٰذا اس اعتراض کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ باقی نہیں رہتا اور ایسے شبہات کی دلیل کے ساتھ کیا حیثیت ہے؟

[illegible] چاند میں شق ہو چکا تھا" چاند میں انشقاق ہوگا، تو اس وقت ضرور
مکمل تھا، کوئی آدمی سے ٹکڑے اور ساقط ہونے کی صورت تھی۔

جواب اعتراض نمبر ۲ | دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس بارے میں بعض
صحابہ کی مرسل روایات ہیں، اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔

اس سے آیت قرآنی یا صحیح احادیث میں کوئی نقص نہیں آتا۔ بخاری
و مسلم وغیرہ کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے
کہ ہمارے سامنے یہ واقعہ خود بخود ہوا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے
[illegible] مختلف مرفوع
[illegible] جو ہم نے بیان کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے
[illegible] ہمارا مدعا یہ ہے۔ لہٰذا مخالفین کا خیال ہے کہ دوسری مرسل
[illegible] بخاری و مسلم کی دوسری سند احادیث [illegible] واقعہ کی
صداقت کے لئے کافی ہیں۔ [illegible] جو ہیں صحابہ [illegible]
[illegible] ہیں [illegible] کے لئے مغیب
[illegible] غیب ہیں ہی ہے کہ وہ ان احادیث کو نقل [illegible]
[illegible] کرتے تھے جنہوں نے واقعہ خود دیکھا یا کسی صحابی سے
[illegible] سے وہ تابعی لوگوں سے ان احادیث کو نقل کرتے تھے جو
[illegible] صحابہ [illegible] سے مشہور و معروف تھے۔

روایت عام اور متواتر چاہیئے تھی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے تنہ پر خطبہ دیا کرتے تھے جب لوگوں نے آپ کے لئے منبر بنا دیا تو آپ نے تنا چھوڑ دیا اور منبر پر خطبہ دینے لگے لیکن تنے سے اس طرح آواز آنے لگی، جس طرح کوئی بچہ رو رو کر رہا ہو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور اس کو سینے سے لگا لیا اور اسے خاموش کر دیا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت کی انگشت ہائے مبارک سے پانی نکلا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ جب بعض مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نبوت کی دلیل مانگی تو آپ نے ایک درخت کو اپنی جانب بلایا اور وہ آگیا۔ اس کے بعد آپ نے اسے واپس لوٹنے کا حکم دیا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر کھانے میں اضافہ ہو جاتا تھا صحابہ کرام سیر ہو کر کھا لیتے پھر بھی کھانا بچ جاتا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ بعض مصیبت زدہ مثلاً اندھے لوگ حضور کے پاس آتے۔ آپ خدا سے ان کے بارے میں دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں شفا یاب کر دیتا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہ احد پر

سے ایک ٹکڑا زمین پر بھی گرا تو لوگوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کیا یہ ممکن ہے کہ "الاہرام" اپنی اس غلطی پر برقرار رہ سکے اور کسی رسالہ کا ایڈیٹر اور نامہ نگار ایسا نہ ہو جو اسے جھوٹا قرار دے؟ یقیناً ہر شخص اس کی تردید کرے گا اور اگر نہیں کرے گا تو اس کی صورت ایک ہی ہوگی یعنی یہ کہ وہ بیچا ہوگا۔ لہذا جب ہم دیکھتے ہیں کہ کعب الاحبار نے اس تہلکہ انگیز واقعہ کو بیان کیا لیکن صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ایسا نہ نکلا جس نے ان کے جھوٹ کو رد کیا ہو۔ حالانکہ صحابہ جھوٹوں کا جھوٹ طشت از بام کرنے کے لیے سرشار تھے، تو لازماً ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ روایت بالکل صحیح اور قطعی واقع ہے۔ اس سے نہ صرف اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اس واقعہ کے وجود پر کوئی دوسری دلیل نہیں ہے۔

جواب اعتراض نمبر ۳ | روایات میں نقص کی تیسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ واقعہ بہت بڑا ہے۔ لہذا اگر یہ صحیح ہوتا تو اس کی روایات متواتر ہوتیں اور اب جب کہ وہ متواتر نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ محض بناوٹ ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ:-

اس سے تو لازم آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے جس قدر بھی معجزات اور کرامات ہیں، سب کی تکذیب کی جائے کیونکہ اس لحاظ سے تو کوئی معجزہ بھی متواتر نہیں ہے۔ حالانکہ یہ اسی [illegible]

[illegible]

[illegible]

اگر یہ لوگ متواتر سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

اور اگر متواتر سے مراد یہ لوگ دوسری صورت لیتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ متواتر ہونے میں یہ شرط نہیں ہوتی کہ نسب کی تمام سندیں صحیح ہوں۔ بلکہ کفار و فساق لوگوں تک کی روایتوں سے بھی خبر متواتر ہو سکتی ہے۔ ورنہ تاریخ و دین کے بیشتر ابواب بھی متواتر نہیں رہ سکتے۔

اس کے علاوہ انشقاق قمر کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے، اور قرآن خود تواتر سے۔ متواتر سے مراد حدیث کی روایت نہیں ہے بلکہ وہ [illegible]

چڑھے۔ آپ کے ساتھ بعض صحابہ بھی تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا۔ تو آپ نے فرمایا:
اے اللہ جا اس لئے کہ تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں
یہ تمام احادیث اہل علم کے نزدیک صحیح ہیں اور ان کے صحیح ہونے
میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس کے علاوہ حضرت عمر کے متعلق دوسری
حدیث ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا
[illegible] کہ ابوبکر نے اس کو ذکر کیا اور فرق یہ
ہے کہ [illegible]

حضرت ثابتؓ بن قیس رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ آپ نے زمزم کا
پانی پیا لیکن صحیح سلامت رہے۔ ایک صحابی پر کان سے پانی کا
ایک ڈول گرا تھا۔ ایک صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتے
ہوئے اپنے گھر جاتے انہوں کی آنکھ روشن ہو جاتی۔

اس قسم کی احادیث کی مثالیں پائی جاتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی
واقعہ بھی ان محققین کی رو سے تواتر نہیں ہے تو کیا اس صورت میں
سب واقعات جھوٹے ہیں۔ اس اعتراض کی رو سے تو سب جھوٹے ہیں۔
لیکن پھر بھی ایسا سرد شخص نہیں کہ مان جو جاتا ہو گا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے
اس کے علاوہ تواتر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ متواتر حدیث وہ ہے

أَيَعِدُونَ مَا لَا تَرَىٰ ... وعد كثير ... يعد

عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّهِ ... ...

أَنَّ بِكَرَامَةِ وَتَصْدِيقِ وَعْدِهِ ... ...

مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ... ...

... ...

وَمَا كَانَ لِأَحَدٍ ... ...

مِّن رَّبِّهِ وَلِهَذَا ... ...

مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ... ...

... ...

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ ... ...

مِنْ رَّبِّهِ قُلْ ... ...

لَا يَبْتَغُونَ عِندَ اللَّهِ وَاللَّهُ ... ...

يَزِيدُهُمْ وَلَهُمْ ... ...

أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ ... ...

يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ ... ...

لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ ... ...

يُؤْمِنُونَ ... ...

متواتر ہونا ہے خواہ وہ حدیث سے ہو یا قرآن سے جو متواتر احادیث سے بھی زیادہ ثابت و یقینی ہے۔

یہ امر بھی مخفی نہ رکھنا چاہیئے کہ قرآنی آیت کی تاویل سے تواتر کا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اس طرح تو تمام متواترات میں تاویل ممکن ہے اور معجزاتِ نبی قبر حشر و نشر حساب و میزان جنت اور دوزخ وغیرہ تمام امور سے تاویل کر جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب امور تواتر سے ثابت ہیں۔ تاویل کیا ہے وہ تو قرآن کی سرح احادیث میں بھی ممکن ہے۔ یقین جانیے کہ اگر واقعہ شق قمر حضرات کے حسب منشا متواتر حدیث میں بھی ثابت ہوتا تو بھی ان لوگوں کے لئے قرآنی آیت کی طرح حدیث میں تاویل کرنا کیا مشکل تھا۔

انشقاقِ قمر کے متعلق مخالفین کے اعتراضات اور انکے جواب

۱۔ انشقاقِ قمر کا واقعہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے: انشقاقِ قمر کو نہ ماننے والے دوسری آیت یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ واقعہ قرآن اور حدیث کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ مشرکین وکفار ہمیشہ سے نشانات کا مطالبہ کرتے رہے لیکن اللہ ان کے مطالبہ کو پورا نہ کرتا تھا اس چیز کو قرآن میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلعم سے بہت سے معجزات طلب کئے تھے جن کا ظہور نہیں ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان معجزات کے ظاہر کرنے سے کیوں انکار کیا۔ اور کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ان معجزات کا ذکر نہیں ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ان آیات اور حدیثوں کو جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے رسول ہونے کی صداقت میں جو نشانی نازل ہوئی تھی اس کے سوا اور کوئی نشانی دکھانے سے انکار کیا تھا۔ اور یہ بات بھی ہمیں معلوم ہے کہ قرآن کی آیات اور معجزات میں سے جس چیز کو آنحضرت صلعم پیش کرتے تھے وہ صرف یہ ہے کہ مشرکین نے اس سے بڑھ کر نہیں مانگا تھا۔ قرآن نے مشرکین کے بہت سے مطالبات کا ذکر کرکے بتایا ہے کہ ان مطالبات میں عناد، کینہ، تعنت، عقل و سمجھ کی کمی کے سوا کچھ نہ تھا۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا

[illegible]

کے لئے رحمت اور نصیحت کا سامان موجود ہے

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ
اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ
عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور انہوں نے کہا کہ اس رسول پر اس کے
رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل
کی گئی؟ تم کہدو کہ اللہ تو نشانی نازل کرنے
پر قادر ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ علم
نہیں رکھتے۔

(سورۃ انعام ع ۴)

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ
بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا
الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ
النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا
بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا
تَخْوِيْفًا

"ہمیں نشانیوں کے بھیجنے میں کوئی چیز مانع
نہیں ہے مگر یہ کہ پہلوں نے ان کی تکذیب
کی ہے اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو
ان کے لئے سامان بصیرت تھی لیکن قوم نے
اس پر ظلم کیا اور ہم نشانیاں بھیجنے میں اس
کے سوا کوئی مقصد نہیں ہوتا کہ لوگ دلوں میں
ہمارا خوف پیدا کریں۔

(بنی اسرائیل ع ۶)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما من نبی من الانبیاء
الا اعطی ما مثلہ امن علیہ
البشر وانما کان الذی اوتیتہ وحیا

انبیاء میں سے جو نبی بھی گزرا ہے اسے ان
کے زمانوں کے لحاظ سے نشانیاں دی گئی
ہیں اور مجھے جو چیز ملی ہے وہ وحی ہے جو

وَيَسْتَحِيْ لِلْاَسْوَاءِ مِنْهُ
كَانَتْ عَلَيْهِ تِلْكَ فَبَلَاءَ
مَعَاذِيْرُ وَبِيْ
اَبِيْ كَتَوْنُوْنَ
حَتَّى تَكُوْنَ مِنْهُ

یہ ہیں وہ آیات جن کی قسم کھا کر یہ لوگ
نہیں یہ آیات مگر جن کی
کہ اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہیں
کی آیات اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء جن کی قوموں نے
بھی اسی قسم کے نشانات مانگے تھے کہ
حالانکہ ان پر بھی بہت سے
ابراہیم میں مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے
قُلْ اِنَّمَا اٰيٰتُ
لَئِنْ

مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا اَوْ
تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ
وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ
خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ
السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا
كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا
اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ
زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ
وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا
نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ
رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا
رَّسُوْلًا ۝

تم ہمارے لئے زمین میں سے چشمے نہ جاری کردو
یا تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایسا
باغ نہ ہو جس کے درمیان میں سے دریا اور
نہریں خوب پھوٹ سے بہ رہی ہوں یا جیسے تم
کہتے ہو اس کے مطابق ہم پر آسمان کو اس طرح نہ گرا دو کہ
وہ ہم پر بوری طرح ڈھانپ لے یا اللہ
اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکر کھڑا نہ کرو
یا تمہارے آسمان پر چڑھ جاؤ لیکن تمہارے چڑھنے
سے بھی ہم اس وقت تک ایمان نہیں لا
سکتے جب تک کہ ہمارے پاس ایک ایسی
کتاب نہ لے آؤ جسے ہم خود پڑھیں (ان مذموم بیجا
مطالبات کے جواب میں) تم کہہ دو کہ میرا پروردگار
پاک اور بے عیب ہے اور میں صرف ایک
ایسا شخص ہوں جو رسول ہوں ۔

سورۂ فرقان میں فرمایا:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا
الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ

اور ان مشرکین کا کہنا کہ اس رسول کو کیا ہوا
اس کی کیا حالت ہے کہ یہ آپ کو رسول کہنے

دی نشانی نہیں کی

اس کے علاوہ نزول قرآن کے بعض مقامات سے بھی
تردید کرتی ہے۔ اس لئے کہ آیت وما نرسل بالآیات الا تخویفا
اور آیت وما نرسل بالآیات الا تخویفا نشانیوں کے نہ اترنے کی
وجہ یہ بتا رہی ہیں کہ اس سے یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ نشانیاں نازل
ہوئی چنانچہ مشرکین کے مطالبہ کے بعد فلنظر ماذا یرجعون سے
یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ نشانیاں نازل ہوئیں۔ پھر ان
سے بھی بڑھ کر یہ کہ دیکھئے کہ اسی بحث میں نشانیوں
کے نازل ہونے سے بھی یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ نشانیاں انہیں وقت نازل ہوتی ہیں
جس وقت آیات تخویف اور نشانیاں صرف اس لئے بھیجی جاتی ہیں
کہ دلوں میں خوف پیدا ہو جائے۔ اسی سے بھی یہ بات صاف ہو جاتی
ہے۔ اس لئے کہ یہ فعل مضارع ہے۔ جس کا صدق حال
اور مستقبل دونوں پر ہوتا ہے۔ لہذا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے یہ نتیجہ
نکلتا ہے کہ ہم مستقبل میں بھی نشانیاں نہ بھیجیں گے کہ
لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا ہو۔ اب کہاں کا دروازہ خاتم النبیا
بند ہوگا اور کس پر ہوگا؟

اس کے علاوہ نشانیوں کے بھیجنے کا مقصد جب اس سے واضح

اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ	بشر ہو لیکن چاہتے یہ ہو کہ جن چیزوں کو ہمارے
يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا فَاْتُوْنَا	پہلے آباء و جدد پوجتے چلے آئے ہیں ان سے
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ	ہمیں روک دو اگر تم واقعی سند کے بھیجے ہوئے
لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ	ہو تو ہمارے پاس ایک واضح سلطان لے جس
نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	سے ہم دیوہاں دلی نشانی سے ۔ لے آؤ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ	اس کا جواب اس کے رسولوں نے یہ دیا کہ ہاں
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا	واقعی ہم بھی تمہاری طرح بشر ہی ہیں مگر اللہ
كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ	اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل خاص
بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ	کرے احسان کرتا ہے ہمارے لیے یہ ممکن
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ	نہیں کہ اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝	کوئی سلطان لے آئیں اور مومنوں کا بھروسہ اللہ
(ابراہیم ع ۲)	ہی پر ہونا چاہیے۔

سورۂ حٰمٓ میں ہے:

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا	اور وہ کہتے ہیں کہ اگر رحمٰن کو منظور ہوتا تو ہم
لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا	نہ پوجتے ۔ حالانکہ اس کے بارے میں ان کے پاس
بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝	کوئی علم نہیں ہے محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں
(زخرف ع ۲)	کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے
اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ	جس کی یہ سند پکڑ رہے ہیں ۔ نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں
قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝	کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا
بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ	اور ہم انہی کی پیروی کر رہے ہیں ۔ اسی طرح
اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا	ہم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝	خبردار کرنے والا بھیجا اس کے کھاتے پیتے لوگوں
وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا	نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ
مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ	پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں
مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ	۔ ہر نبی نے پوچھا کیا اگر میں تمہارے پاس
مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ	اس سے زیادہ صحیح راستہ لے کر آؤں جس پر تم نے
اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا	اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو انہوں نے کہا کہ
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝	ہم تو تمہاری لائی ہوئی ہر چیز کا انکار کرتے ہیں
قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ	(زخرف ع ۳)
بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ	
عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا	
اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ	
كٰفِرُوْنَ ۝	

کیا ان آیتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے پہلی قوموں پر کوئی

نہیں ہے کہ لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کیا ہو تو کیا قریش کو بلا خوف
دلائے چھوڑ دیا جائے گا اور ان پر نشانیاں بھیجنے میں بخل کیا جائے گا؟
لغرض یہ بات مذکورہ سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ قطعاً اس نتیجہ کے
برعکس ہے جو مخالفین نے اس آیت سے نکال لیا ہے۔

وَمَا مَنَعْنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا
الْاَوَّلُوْنَ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا

نشانوں کے بھیجنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے سوائے
اس کے کہ پہلی قوموں نے اس کی تکذیب کی) سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا
کہ اللہ تعالیٰ مطلقاً اور ہر قسم کی نشانیاں بھیجنے سے رک گیا بلکہ اس
کا مطلب صرف یہ ہے کہ کفار و مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جن نشانیوں
کا مطالبہ کرتے تھے وہ وہی یا اسی قسم کی تھیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام
اپنے اپنے زمانہ میں دکھا چکے تھے مثلاً حضرت موسیٰؑ کا عصا، حضرت صالحؑ کی اونٹنی
اور حضرت عیسیٰؑ کا مردوں کو زندہ کرنا، مٹی وغیرہ وغیرہ۔

"تم نے کہا تھا کہ ہم تمہارے پاس یہ نشانیاں لے آئیں تو تم ضرور ہمارے
ہاتھ پر ایمان لے آؤ گے اور تمہاری تصدیق کریں گے۔ اس کے
جواب میں ہم نے نشانیوں کے بھیجنے سے انکار کرتے ہوئے
ان نشانیوں کا ان مشرکین و کفار نے سابقہ کیا ہے۔ ہمیں کوئی
مانع ان کے بھیجنے سے نہیں روک سکتی۔ مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح

کرنا قرآن سب سے بڑی نشانی ہے۔ متواتر صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی دوسری نشانیاں بھی دیں حتیٰ کہ ایک عالم نے ان کا اندازہ ۱۲ ہزار تک پہنچایا ہے۔ امام بخاری نے علامہ کا تقسیم تین ہزار ہے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب میں خاص کر ایک باب باندھا ہے اور اس کا نام علامات نبوۃ رکھا ہے۔ اس باب میں اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حیرانی معجزات کا ذکر ہے۔ پر بھی یہ معجزات پچاس سے زیادہ حدیثوں میں بیان ہوئے ہیں۔ اس بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت ہے کہ "ہم نشانیوں کو برکت خیال کرتے تھے اور تم انہیں دل میں خدا کے خوف پیدا ہونے کا سبب شمار کرتے ہو۔ ایک دفعہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے کہ پانی کی قلت ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت جس قدر پانی موجود ہے، لے آؤ۔ چنانچہ سارے بچے ہوئے پانی کو ایک برتن میں ڈال کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اس میں اپنی انگلیاں ڈالیں اور فرمایا۔

حی علی الطہور المبارک — آؤ اور برکت والے پانی سے وضو کرو

والبرکۃ من اللہ — اس بات کا خیال رہے کہ برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

صاف اور صحیح معنی بھی یہی ہے کہ دیگر انبیاء کرام کو بھی جو معجزات ملے
تھے وہ بھی بیشک ان کے روشن نشانات تھے پہلوں نے اپنی قوم کو تعجب
دلانے کیلئے ہمارے نبی معجزات کی طرح ان کے بھی اصل حالات نہ
لکھے ہوں معجزات ہمیشہ ہی دنیا سے بیشک نئے معجزات ہمیں
اپنے حضور کی نبوت کا یقین کرنا ہے اور قرآن ہمیشہ
ہے۔ انشقاق قمر کا واقعہ اس کے بعد کے مفسرین لکھتے ہیں کہ مشرکین
بیتوالی کے خلاف ہے کی اصل وجہ یہ ہے کہ دلی منشا یہ ہے کہ
دیگر نشانات طلب کرنے کے بعد لوگ اس کے رسول کی تکذیب کرتے
ہیں انہیں وہ فوراً ہلاک کر دیتا ہے جب کفار نے اپنے
کسی رسول پر کوئی دیگر نشان بطور معجزہ طلب نہ فرمایا ہو اس کی قوم اس پر
ایمان نہ لائی بلکہ اپنے کفر و ضلالت و گمراہی پر اڑے رہے اس وقت
اللہ نے انہیں کوئی مہلت نہ دی بلکہ فوراً ہلاک کر دیا۔ قرآن میں جتنی قوموں
کا تذکرہ ہوا ہے ان میں آپ کو یہی اصول کام کرتا نظر آئے گا۔ نوح
صالح، موسیٰ، شعیب اور لوط وغیرہم سب انبیاء کی قوموں کی ہلاکت اسی
طرح ہوئی ہے۔ اگر واقعی انشقاق قمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے طور
پر واقع ہوا ہوتا تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ قریش کو اسی وقت ہلاک کر دیتا۔
اس لئے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اس پر ایمان نہیں لائے بلکہ اس کی برابر طلب

معجزات کے منکرین سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کی پیش کردہ آیات مادی معجزات کی مطلقاً نفی کرتی ہیں یا مخصوص نشان و معجزات کی؟

پہلی صورت بداہۃً غلط ہے کیونکہ آنحضرتؐ کے متعدد مادی معجزات اجماع اور تواتر سے ثابت ہیں انگشت ہائے مبارک سے پانی جاری ہونا، کنکروں اور کھانے کا تسبیح کرنا، تنہ کھجور جس پر آپ خطبہ دیا کرتے تھے، کا بیان جیسے صحابہ کی کثیر تعداد نے سنا اور دست مبارک سے اشیائے خوردنی میں اضافہ، یہ سب ایسے واقعات ہیں جو اجماع اور تواتر سے ثابت ہیں۔ دوسری صورت میں معترض کو بتانا ہوگا کہ اس کے پاس علم کے کیا ذرائع ہیں جن کے پیش نظر وہ اس معجزہ (شق قمر) کو اس نوع میں شمار کرتا ہے۔

علاوہ ازیں پیش کردہ آیات مادی معجزات کی نفی میں اس قدر واضح بھی نہیں جس قدر کہ آیت کریمہ اقتربت الساعۃ وانشق القمر اور متعدد احادیث اس کے اثبات میں نص صریح اور واضح ہیں اور اثبات دعویٰ میں غیر منصوص اور غیر واضح آیات میں کھینچ تان کی بنا پر امر منصوص، اجماع اور تواتر کا انکار وہی کر سکتا ہے جو نظر انصاف اور فہم و فکر کے توازن سے محروم ہو۔

— اور آنحضرت کے ارشاد کہ ہر ہر پیغمبر کو اس کے ساتھیوں کے حسب حال نشانات دیئے گئے اور بلاشک و شبہ میرا نشان میری وحی ہے کہ

تکذیب کی جیسا کہ خود ارشاد خداوندی ہے وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ نہیں ہلاک نہیں کیا گیا لہٰذا معلوم ہوا کہ انشقاق قمر محض فسانہ ہے۔

جواب اس شبہ کو نہایت زور دے کر اور مزین کر کے پیش کیا ہے حالانکہ یہ باطل خلاف وجود ہے خود ان لفین کے بتوں نے یہ پیش کیا ہے تو یہ ایک زبردست بختیاری کیوں نہ گمان کریں۔

اصل معاملہ یوں ہے کہ اللہ رب العالمین نے تکذیب و کفر کرنے والوں کو فوراً ہلاک نہیں کیا کہ وہ نشانیوں کے آنے کے بعد بھی تکذیب و کفر پر برقرار رہے خواہ ان نشانیوں کا وقوع کسی کی طلب پر ہوا ہو یا نہیں زندہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں تمام قوموں کو اللہ تعالیٰ نے صرف اس وقت تک برباد کیا ہے جب کہ وہ فساد اور کفر و سرکشی میں حد سے تجاوز کر گئے تب ان کے نبیا ان کے ایمان سے قطعاً مایوس و ناامید ہو گئے۔

فی ان قوم میں نو سو پچاس برس تک تبلیغ [illegible] فی فوجداری [illegible] ان میں [illegible] ان کی عمر [illegible] اور اس دوران میں [illegible] ایمان

اسی طرح قوم لوطؑ کو اس عبرت ناک گرفت میں محض اس بنا پر نہیں لیا گیا کہ اس کے افراد نے حضرت لوطؑ کی تکذیب کی بلکہ اس گرفت کے لئے وہ وقت مقرر ہوا جبکہ انہوں نے اس قبیح بدکاری کا ارتکاب حضرت لوطؑ کے مہمانوں پر اللہ کے فرشتے ہونے سے بھی کر لیا۔

غرض جن قوموں اور جن لوگوں کو بھی اللہ نے اپنی گرفت میں لیا ان کے حالات میں آپ کو یہی اصول نظر آئے گا۔ اللہ کی یہ سنت نہیں کہ وہ قوموں کو محض نشانیوں کی تکذیب کرنے کی بنا پر ہلاک کر دے جب تک نشانیاں نئی ہوں۔ ان سے پہلے بھی ویسی نشانیاں آ چکی ہوں اب جبکہ انشقاق قمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا اور آپ کی قوم پر حجت تمام ہو گئی تو یہ ضروری نہ تھا کہ فوراً ہلاک کر دی جائے اور سنت اللہ بھی یہ نہیں کہ قوام کو محض تکذیب کی پاداش میں ہلاک کر دیا جائے۔ ایسا سمجھنے والوں کا یہ کمزور، بودا اور فاسد خیال فوراً ترک کر دینا چاہیئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت اور حکمت یہ ہوتی چاہیئے تھی کہ جس وقت قریش والوں نے انشقاق قمر کو دیکھ لینے کے باوجود کفر کیا وہ انہیں ہلاک کر دیتا۔ مگر اللہ کے علم میں تھا کہ ابھی رسولؐ کی وفات سے پہلے ایمان لے آئیں گے ان کے ذریعے بہت سے ملک فتح ہوں گے۔ دل مسخر ہوں گے۔ اور یہی لوگ اللہ کے رسولؐ کی کامیاب و بامراد فوج بنے گی۔ ان کی نسل سے وہ

[illegible]

[illegible] کہ جو بھی بھٹلنے والے سے فوراً ختم کر دے۔ کیا ان لوگوں کا
خیال نہیں ہے جنہیں تمام انبیاء کی نشانیاں دی گئی تھیں کیا اس کے
باوجود یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نہ بھیجنے والی کتاب ہی ہے کہ
تمام انبیاء جن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں — کی نشانیاں بھی
ہوں۔ اور نہ ہی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دی نہیں بلکہ ہی تھا یعنی
قرآن اگر ان لوگوں کا دعویٰ نہیں ہے کہ نہ تھا تو ہوں سے پس قوم نے
بھی بچنے ہوں کو جھٹلایا اللہ نے ہلاک کر دیا کیا یہ اللہ کی سنت
نشانیاں ہے۔ موسیٰ نے کے بعد بھی چلی آ رہی قوم کو فرعون
[illegible] کیا وہ اگر دیکھتے ہیں کہ قریش نے نبی اللہ ایسوع
[illegible] ان کے پاس سے نشانیوں سے بڑا نشان قرآن آسمانوں
[illegible] نہ لائے نہیں کیا۔ اگر کی کیا وہ [illegible] اگر
ی علمی نشانیوں ان کو دیئے ہے دیں ان کو کوئی موقع نہیں ہے
کہ جب دی نشانی کو جھٹلانے والا ہلاکت کا مستحق ہے تو علمی نشانی
تبدیل نہ تو بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق ہے۔ قرآن جیسی علمی نشانی دینے کے
واسطے کی نجات بہ نسبت دوسری نشانیوں کی نسبت بڑی دلیل ہے اس لئے کہ دوسری
نشانیوں میں کچھ نہ کچھ تاویل و تشکیک کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن علمی نشانی
میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

[illegible]

شق القمر کے واقعے کو دوسرے [illegible] **ملکوں والے بالکل بے خبر رہے؟**

[illegible] شق القمر کا واقعہ سب سے بڑا معجزہ ہے جس کے نقل و ثبوت [illegible] کے لئے بہت سے اسباب محرکات ہوتے ہیں اگر یہ واقعہ حقیقتاً وقوع پذیر ہوتا تو آسمان و زمین کا کوئی گوشہ اس کے تذکرہ سے خالی نہ رہتا۔ ہر ملک کے مؤرخین اس کا تذکرہ کرتے اور چپہ چپہ کے لوگ عام ہیں اس کی اس قدر تشہیر ہوتی کہ ہر ملک کا سرپھرا شخص اس سے باخبر ہوتا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ملک کے باشندوں نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ لہٰذا اس واقعہ کا ان پر مخفی رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقع نہیں ہوا؟

جواب چاند تمام زمین والوں پر ایک وقت طلوع [illegible] ہوتا بلکہ ایک

آج خود بخود ختم ہو رہے ہیں ان کو اس کے سوا کچھ نہ کہیے کہ "جاؤ اور مزید علم حاصل کرو۔" موجودہ دور میں یورپ کے علم الافلاک اور سائنس ان شبہات کو بہ نگ دل غلط کہتے ہیں اور نہ صرف افلاک کے ٹوٹنے پھوٹنے بلکہ اس سے بھی عجیب و غریب اور حیرت انگیز امور ثابت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ زمین آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو سورج سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ اس پر مسلمان قرآن سے استدلال پیش کرتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے:۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ	کیا جن لوگوں نے کفر کیا غور نہیں کیا کہ زمین و آسمان دونوں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں پھاڑ دیا۔
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا	
فَفَتَقْنٰهُمَا	

اس آیت کی تشریح یوں بیان کرتے ہیں کہ پہلے آسمان اور زمین ایک سی نیبولے کی تار یقار دونوں ملے ہوئے تھے اس کے بعد زمین آسمان سے علیحدہ ہوئی فَفَتَقْنٰهُمَا (پھر ہم نے انہیں پھاڑ دیا) موجودہ اہل سائنس بھی کہتے ہیں کہ یہ زمین کا ایک حصہ تھا جو اس سے الگ ہو گیا۔ اس پر مسلمان قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ	کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ ہم زمین کو آتے ہیں۔ اس کی حدوں سے کم کرتے ہیں۔ (انبیاء ۔ ۴۴)
نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا	

وقت میں گر ایک قطعہ زمین پر طلوع ہوتا ہے تو دوسرے سے چھپا رہتا ہے
اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام اہل زمین اس کو ایک وقت میں دیکھ سکیں
اسی لیے یہ تحقیق کرنا ضروری نہیں ہے کہ سے ہر ایک آدمی دیکھتا ہے
اس سے تمام اہل زمین کے لیے انشقاق قمر کا ثبوت کیا ہے۔ نہیں بلکہ
اس کے معنی انشقاق قمرات کے وقت واقع ہوا تھا اس وقت کے
لوگ اپنے گھروں کے اندر آرام کر رہے ہوتے ہیں ایسے لوگ
بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو اپنے گھروں سے نکل کر آسمان کی طرف دیکھتے
ہوں گے۔ وہ وقت جبکہ چاند کے ٹکڑوں کا تھا۔ اس لئے ایسے لوگ شاذ ہی ہوں
گے جنہوں نے یہ واقعہ دیکھا ہو۔

جن لوگوں نے دیکھا اور اکثر لوگوں نے نہیں
دیکھا ان دونوں سے تو ہمارا اور آپ کا تعلق نہیں ہے ہمارا تعلق
اس سے ہے جو ہمیں معلوم ہے کہ حقیقتاً ایسا حادثہ پیش آیا تھا
اس کے متعلق خیال کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان میں جو مؤرخ
تھے وہ اس کو مشہور کرتے بھی تھے۔ انہوں نے اس کا ذکر کر دیا تاکہ
جو لوگ اس حادثہ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو گا ان کے
ذریعہ سے اس حادثہ کا ثبوت ملتا رہے تقریباً
ہر قوم کی تاریخ میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔

ارباب قلم ان کے بیان کو قبول کریں۔ اور جب ان میں سے کوئی جغرافیہ یا سائنس یا تاریخ کی کوئی کتاب تصنیف کرے تو اس میں اس حادثہ کا ذکر کر دے تاریخی واقعات میں جگہ دے۔ مگر نہیں بلکہ وہ اس سے سبق نہیں لیں گے کاش کہ اس لئے کہ آئندہ دور میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے ایسے وحشی اور جاہل کہتے ہوئے نظر سے گزریں اور جب اس اندیشہ کو ملحوظ رکھنے والے مؤلفین نئی کتابوں میں اس قسم کے حادثات کا قطعہ تذکرہ کریں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حادثات کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کے ذہن سے بھلا دیئے جائیں گے اور ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیا میں اس حادثہ کا لینے والا کوئی بھی نہ رہے۔ اتفاق قسم کے سلسلہ میں پرانی تواریخ کی سی بے تکلفی کا نتیجہ ہے کہ آج کی تاریخ سے اس کا سراغ نہیں ملتا۔

ان مؤلفین میں سے جو لوگ پڑھے لکھے اور سمجھ رکھنے والے ہیں۔ نہیں یہ معلوم ہے کہ گزشتہ زمانہ میں لوگوں کا اپنی زندگی کے نعمت کو تلف میں محفوظ کرنے کا کیا وہ توجہ اور انہماک نہ تھا۔ جو آج ہے جہالت اور علمی اس زمانہ کے سوا اور پھیلے طبقہ پر چھائی ہوئی تھی حتی کہ قوموں کے بڑے بڑے بھی اس سے محفوظ نہ تھے۔ آج کل کی طرح اس زمانہ میں تصنیف تالیف و رسائل و اخبارات کا پرچار نہ تھا جس سے ان کی زندگی کا ہر معمولی یا غیر معمولی واقعہ نقل کیا جا سکتا۔ کیا ان مؤلفین میں سے کوئی شخص ہیں س

ہوئی۔ اسے نے خیال کیا کہ اس نے ہندوستان میں ایک عمارت دیکھی
اس پر یہ الفاظ لکھے تھے۔ یہ عمارت اس رات تعمیر ہوئی تھی جس رات
چھت گر گئی۔ یہ بیان [illegible] ان کی تاویل کر سکتا ہے۔
لیکن اسے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی تاویل سے محفوظ نہیں رہ سکتی
جس سے زمانہ کے سابقہ نشانات میں مزید اضافہ و تحقیق و تدقیق
کی ضرورت ہو۔ اس قسم کے شکوک و اوہام کی بنا پر صحیح حدیث کو رد
نہیں کیا جاتا۔

اس حادثہ کے وقوع پر ایک قوی دلیل

یہ بھی ممکن و شبہ کی جا سکتی ہے کہ تشقق شق کا واقعہ تابعین کے
زمانہ میں ہوا ہو۔ لیکن یہ قول بعید ہے۔ اس لئے کہ مشہور یہ ہے کہ کوئی شخص اس سے بے
خبر نہ رہا کہ ائمہ اور علماء نے اس کا تذکرہ کیا ہے جن کی بات
حفظ سے قابل قبول ہے۔ لوگوں نے ائمہ سے اس واقعہ کو لیا اور
اس میں صریح کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے علاوہ دوسرے بے شمار تابعین نے
بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

دوسری تاویل میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی ریب
[illegible] ہی نہیں کہ اس زمانے کے صحابہ و تابعین اور علماء و حکم

روایات ضرور ہوتیں جن میں وہ اس کا جھوٹ ظاہر کرتے بھلا یہ کیسے ممکن ہے
کہ اس قدر مفید اور بے بنیاد جھوٹ اس زمانہ میں پھیل جائے اور کوئی عالم
زمانہ نہ جو اس کی قلعی کھول دے۔ علاوہ یہ زمانہ صحابہ و تابعین کا وہ زمانہ
تھا جس کے بچے بچے کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و آثار
اور چھوٹی بڑی شانی سے بڑے طور پر واقفیت رکھنے کا دعویٰ ہے۔ آنحضور صلی
اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کیا معمولی سے معمولی دور ہے نادر و قیمتی روایات
سے خالی نہ ہے۔

لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ اس عہد کے علماء و مورخین و محدثین
کی موجودگی میں علم و علماء کے لحاظ سے اسلام کا سب سے مالدار زمانہ ہے۔
وہ مسلمانوں اور ان کے علم اور علماء پر بہت بڑا بہتان لگاتا ہے۔

اسی چیز کو اگر موجودہ حالات پر پرکھ کر دیکھا جائے تو حقیقت بہت زیادہ
روشن ہو جاتی ہے کیا آج کوئی مصنف یہ لکھ دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
تہجد کے وقت یا حج میں شق القمر جیسا واقعہ رونما ہوا جب کہ
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت فرما چکے تھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ یہ جھوٹا واقعہ
لوگوں میں پھیل جائے اور علماء اسلام اس کی تردید نہ کریں؟ اگر آج کوئی
مصنف یہ لکھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی
اور وہاں سے واپس آکر مکہ کی سیاحت کی ہے تو کیا یہ جھوٹ نہ ہوگا؟

ی طرح کہ محدثین، مناسیر علماء اور فلاسفہ سے متعلق بعض ایسے امور لکھ دیتے
ں سچائی اور بن کا حقیقت سر آدمی کو معلوم تھا تو لازمی طور پر جو لوگ ان مذ
علماء کے علم سے واقف ہوتے محدثین کے جھوٹ کو تمام لوگوں کے
اور دیتے۔

خود حالت کو دیکھتے ہوئے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے
کہ انشقاق قمر میں کثرت قصہ ہونا ——— جبکہ خود صحابہ کرام
تابعین اور تبع تابعین کے عہد مبارک میں اس قدر وسعت اور شہ
شہرت سے بعید تھا کیونکہ ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملتا جس نے اس عہد
سے غلط کہا ہو پس یہ ایک نافذ ہی تردید حقیقت اور دلیل قاطع ہے کہ انشقا
قمر کا معجزہ شرف خلق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر یقیناً واقع
تھا

اس دلیل کو ایک دوسری طرح بھی یوں ثابت کر سکتے ہیں کہ تابعین سے
نقل میں متعدد نقول کا یہ دعویٰ تھا کہ انشقاق قمر واقعی آنحضرت کے دست
مبارک پر واقع ہوا تھا۔ قرآن کے بعد ان کتب کو جو اسلام کی قدیم ترین
میں سے متعلق ہے دیکھیے یہ بات وارد ہوئی ہیں وہ بہت سے اہل علم
نے اس کی شہرت دیکھی جیسا کہ انس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت
و حالات پر اپنی کتاب لکھی اس میں اس واقعہ کا ذکر کیا اور اسے

حدیث السحر

جادو کے متعلق حدیث

بخاری و مسلم اور دوسری کتب حدیث میں حدیث السحر کے نام سے
جو حدیث مروی ہے اس کا ترجمہ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
یہود بنی زریق کا
لبید بن اعصم نامی
ایک شخص جادو کرتا رہا
یہاں تک کہ آپ کو
خیال ہوتا تھا کہ
آپ فلاں کام کرتے ہیں
حالانکہ آپ وہ کام
نہیں کرتے تھے

حدیث السحر کے متعلق محققین کے تین بیانات

اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے
اس کے تمام راوی ثقہ ہیں

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کا اثر صرف ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے
اس کا اثر دل اور دماغ پر نہیں ہوتا
اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کا اثر
اس قول کی تصدیق ہوتی ہے
جو قرآن نے یوں نقل کیا ہے:

محقق مقتدین حامی اسلام جنت نے اس روایت کا انکار کر دیا ہے
ہے کہ یہ علمائے اسلام کی ایک غلطی ہے جس سے ان کی عقل پر دھبہ
ہے۔ بلکہ خود اسلام بھی اس سے دامن دار ہوتا ہے۔ ہم اس کے جواب
صرف یہی کہیں گے کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ
هَدَيْتَنَا۔

ثبات کا زہر

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

بنی اسرائیل ع ۵

اور ظالموں نے کہا کہ اے مسلمانو! تم تو صرف ایک ایسے آدمی کا اتباع کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ یہ تمہارے لئے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ سو یہ گمراہ ہو گئے اور کسی راہ کے پانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

۲ — اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام یعنی قرآن و حدیث کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ جب آپ پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ آپ کو کوئی کافر کیا ہے۔ دیوانہ کہتا ہے تو اس سے کہ آپ خیال فرمائیے کہ آپ کی طرف وحی سے درمیان کوئی ذریعہ ہے یا نہیں۔ جتنے نبی آئے وحی پہنچانے والے فرشتہ کے ذریعہ سے آئے۔ فرشتہ پہنچانے والے کو نہ دیکھ سکے تھے نہیں آپ کو کرنا ہوتا یا نہ کرنا ہوتا کہ آپ سے دریافت کرتے۔ اس لئے کوئی وجہ تحیت اور طعن نہ تھی۔

۳ — جو لوگ شیطان کے مرید ہیں وہ جہنم کے کام کر رہے ہیں اور ان لوگوں کے مقلد ہونے ہیں جو سیدھے راستہ سے غافل ہوں۔ اس کے لئے اور سیدھے راستہ سے بچنے کی حفاظت طلب نہ کرتے ہوں اور اطاعت الٰہی اور اعمال صالحہ

وہ کہا کرتے تھے "مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ" (الفرقان) - اس رسول کو تو دیکھو اسے کیا ہو گیا کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ (کیا ہم اسے جھوٹ ٹھہرائیں گے؟)

وہ کہا کرتے تھے "یہ رسول قطعاً غیب دان نہیں ہے۔ نہ یہ ہمیں ملک کر سکتا ہے ورنہ ہمارے پاس (بذاتِ خود) اپنی رسالت کی کوئی نشانی یا معجزہ بھیجتا (کیا ہم اسے غلط قرار دیں گے)؟

وہ کہا کرتے تھے "ہمارا مال اور اولاد محمدؐ کے پیروؤں سے زیادہ ہے کیا یہ ہمیں عذاب دے گا؟"

وہ کہا کرتے تھے "محمدؐ نے ہمارے معبودوں کا انکار کیا ہمارے خوابوں کو پراگندہ کیا۔ میں اپنے باپ دادا کے معبودوں سے، وکا اور سارے معبود، جب کہ یہ معبود ہمیں لے آیا (کیا ہم اس کی اس بات پر تصدیق کریں گے)؟"

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ گزشتہ قوموں نے اپنے رسولوں سے [illegible] "تم ہم جیسے بشر ہو یا چاہتے ہو کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں سے باز آ جائیں؟ کیا ہم اس بارے میں ان کی تصدیق کرنے میں جلدی کریں گے؟" مگر رسولوں نے ان کی تصدیق کی اور کہا "ان نحن الا بشر مثلکم [illegible] ہماری حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ہم تمہارے

پس مردہ چیز جسے کفار کہیں ہمیشہ جھوٹ نہیں ہوتی اور ہمارے لئے
قطعاً لازم نہیں ہے کہ ان کی ہر کہی ہوئی بات کی تردید کریں بلکہ ان کی تردید
صرف ان ہی چیزوں میں ہوتی ہے جن کے جھوٹ ہونے پر دلیل قائم
ہو۔ ان کی مخالفت محض ہی چیز میں جائز ہے جس کی مخالفت کرنا واقعی
ہدایت و رشد کا باعث ہو۔ یہ ایک ایسا امر ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں
ہو سکتا۔ اس سے کافروں کے اس قول کو جھوٹ قرار دینا اس وقت تک مناسب
نہیں ہے جب تک کہ عقل و نقل سے اس کے جھوٹ ہونے کی واقعی دلیل
نہ مل جائے۔ ہم نے آج تک کسی کو نہیں سنا کہ اس نے کسی قول کو صرف اس
بنا پر غلط قرار دیا ہو کہ یہ قول لوگوں کا کہا ہوا ہے ورنہ ہم نے تو یہ کہتے
سنا ہے کہ کفار جو بھی کہتے ہیں غلط کہتے ہیں، اور وہ کبھی سچ نہیں بولتے۔
اس کی وضاحت اس چیز سے ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت نے
پہلے کفار کا قول نقل فرمایا ہے:۔

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ	اور انہوں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہو گیا کہ
يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي	کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ کیوں نہ
الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ	کہ اس پر ایک فرشتہ نازل ہو جاتا جو اس کے
فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ	ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا۔ یا اس کی طرف خزانہ
كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ	ڈال دیا جاتا یا اس کے لئے ایک باغ ہوتا

کے خیال اور دماغی فتور کا نتیجہ ہے جس پر جادو چلا ہوا ہے اور وہ جو احکام بھی اپنے منتے والوں کو دیتا ہے مجنونانہ طور پر کر دیتا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے لازم نہیں ہے کہ ہم اس کی تصدیق اور اتباع کریں۔

جب ہم حدیث کو صحیح سمجھتے اور اس پر ایمان رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہفتہ روز جادو رہا تو اس سے ہرگز مشرکین کے قول کی تصدیق نہیں ہوتی اور نہ ان کے ارادے اور نیت میں موافقت ہوتی ہے اس لئے کہ حدیث کا منشا اور اس روایت کو صحیح قرار دینے والوں نے جو کچھ حدیث سے سمجھا وہ اور ہے اور ان مشرکین کا کہنا اور۔ جو چیز حدیث سے ثابت ہوتی ہے وہ مشرکین کے قول سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور جو ان کے قول سے ثابت ہوتی ہے وہ حدیث سے ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جبکہ دونوں کا مقصد ایک دوسرے سے جدا ہے تو ایک کا دوسرے کی مخالفت و تصدیق کرنے میں کوئی شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جن مشرکین نے کہا تھا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ان کا منشا یہ تھا کہ جس شخص نے یہ قرآن سے وقت تک جادو ہوں سے آپ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان مشرکین نے آپ کے ایسا خیال کر کے آپ کی وہ ان کی اس بات سے محفوظ کر دیا کہ اس تغیر و خیال کا کچھ بھی تو آپ پر پڑ سکے گا کیا ان کی مراد اس سے یہ تھی کہ جس قرآن کو یہ رسول لے کر آیا ہے اور جس

باقی نہیں رہ سکتا۔

ب۔ یا تو ان لوگوں کے پاس اس چیز کے دلائل ہونگے کہ رسول تبلیغ
سے بالکل معصوم ہوتا ہے یا دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے پاس اس چیز
کوئی دلیل اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ رسول پر جادو نہیں ہو سکتا
مگر پہلی صورت میں تو جادو کے ہونے سے کیا نقصان ہو سکتا ہے جبکہ وہ
چیز کہ تبلیغ کرنے میں اس کے نہ ہونے کے دلائل دونوں بکہ تمام حالا
میں موجود ہیں۔

دوسری دوسری صورت سے تو میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے کہاں سے معلوم
کیا کہ رسول پر جادو نہیں ہو سکتا۔ یہ تو نہیں ہے کہ رسول پر جادو نہ ہونے کی
دلیل ہے؟ یہ تو بدیہی امر ہے کہ اگر ایک چیز کے وجود کی دلیل نہ ملے تو
بہت سے اس کے نہ ہونے کی یہ دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ۔۔۔ دوسرے
لفظوں کے الفاظ میں ۔۔۔ جادو کے علاوہ دوسری چیزوں سے رسول کے معصوم ہونے
کی نفی کی دلیل ہے؟ اس کی دلیل کیا ہے کہ رسول تبلیغ میں غلطی سے معصوم ہوتا ہے،
خیال ہے کہ ان سے ۔۔۔ اس کی دلیل اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ کہتے ہیں
رسول پر جادو نہیں ہو۔

ج۔ متواتر آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں سے بڑی
غلطی سے بلکہ قصہ نمائی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہیبت نہ دیکھ

[illegible] ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی قرآن پڑھ [illegible]

[illegible]

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بس جس طرح [illegible] وہ دھول کے متعلق

بھی درست ہے [illegible] جس طرح [illegible] کے متعلق [illegible]

[illegible] بات ہو گئی [illegible] کے متعلق کہا۔

[illegible] کی وجہ سے بھی [illegible]

[illegible] چاہے قبول [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کیونکہ تمہارے کہنے کے مطابق آخر وہ بھی ایک انسان ہے۔" وہ جواب
دینگے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ دلیل کے طور پر وہ کہیں گے کہ اس کی ذات خود
بذات خود اس بات سے کہ خدا نے اسے خصائل سے بچا یا ہے رسول ہونے کی
بنیادی شرط ہے کہ اس سے کسی ایسی چیز کا سادر نہ ہو جو اسکے منصب نبوت
و رسالت کی نفی کر ڈالے۔

بس اسی طرح ہم جادو کے منکر ہیں گے۔ آپ کا کہنا ہے کہ ایک
شخص کا یہ التباس کا ہونا ممکن ہے لیکن ایک رسول پر ممکن نہیں خود ہمیں
معجزات میں دو اس لئے کہ اس سے اس کی تبلیغ و رسالت میں گڑبڑ واقع ہوتی
ہے۔

تیسرے شبہ کا ازالہ: تیسرا شبہ جو یہ کہ شیطان عمر بھی کو گمراہ
غالب آسکتا ہے جن کا ایمان کمزور اور جو خدا سے پوری طرح غافل ہوتے
ہیں۔ اہل ایمان اور خصوصاً انبیاء پر وہ قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا۔
اس شبہ کا جواب ہم دو طرح سے دیتے ہیں۔

یہ شبہ دراصل دعوے کی دعوی ہے جس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہے
نہ عقل سے اور نہ نقل سے۔ جو اسے صحیح قرار دے سکے یہ صرف وہم
کے ہونے والے امور کے خلاف سے مختلف دلوں کے حالات میں ان کے
خلاف اس قدر بے پے واقعات ملتے ہیں جو شک کو قطعی امور میں نہ رہنے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قرآن میں متعدد مقامات پر آدم و حوا کا قصہ نقل کیا گیا ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے ان دونوں کو اغوا کر کے دھوکہ میں ڈال دیا
بہرکیف اس میں ان کو موت سے نکالنے پر حضرت موسیٰ نے یہ قصہ بھی دہرا دیا
جس میں معلوم ہوتا ہے کہ قصہ تو اسرائیلی کا تھا تو کہا:

هٰذَا مِنْ عَمَلِ — یہ عمل شیطان کا ہے اس نے مجھے دھوکہ
الشَّيْطٰنِ (قصص) — دیا (ترجمہ از سید ابوالاعلیٰ مودودی)

حضرت موسیٰ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ وَعُيُوْنٍ — پس نکال کے ہم نے ان کو باغوں سے چشموں سے
وَكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ — خزانوں سے اور عمدہ مکانوں سے
فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ — پھر ان کے پیچھے لگے سورج نکلتے
فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعٰنِ — پھر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کو نظر آئے
قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا — موسیٰ کے ساتھی بولے ہم تو پکڑے
لَمُدْرَكُوْنَ قَالَ كَلَّا — گئے فرمایا ہرگز نہیں

جب دونوں گروہوں نے موسیٰ کو متخیل و خوف زدہ پایا تو دل دیا کہ ہم تو خدا نے
ہمیں فرعون کے ہاتھ سے بچا لیا اور فرعون کا لشکر دل سے جو ہمارے تعاقب کو پیچھے آ رہا تھا
حضرت موسیٰ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء کی یہی حالت تھی
دیا جاتا تھا جس سے وہ روک دیتے
ان کو ہر بشارت سے نوازا جاتا تھا
فطرت نے خوف موت ہے

ہم نے تینوں شبہات کو نقل کر کے ان کا مکمل جواب دے دیا ہے

منکرین کے جواب کا دوسرے طریق سے

علاوہ ازیں ان مخالفین کی تردید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے اور اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء پر جادو ہو سکتا ہے۔ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ (طٰہٰ)

اس آیت کے ضمن میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں کے جادو کے بعد موسیٰ کو ان کی رسیاں سانپ ہونے کے باوجود پیشان کر دیا یہاں تک کہ ان کے دل میں خوف پیدا ہو گیا۔ ان باتوں نے یہ بتلا دیا کہ آپ پر جادو کی چیزوں کو دیکھ کر ان کی حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے تخیل اور شک ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے آپ کو خوف پیدا ہو گیا۔ اس طرح اس آیت سے بھی تقیید ثابت ہو سکتی ہے کہ جادوگروں کے جادو کو دیکھنے کے بعد اس اپنے خیال کے مطابق کہ جادو کی رسیاں سانپ نہیں ہو سکتیں۔ یہ خیال پیدا ہو گیا ہو۔ اس لئے کہ کوئی نبی نہیں ہو سکتا کہ موسیٰ کے سامنے تمام چیزیں بدل جائیں اور وہ تغیر ان کی اصلی حالت کے سوا دوسری حالت پر گمان کرتے ہیں یہ آیت بہر حال حدیث سے مطابقت رکھتی ہے۔

[illegible]

[illegible]

بات بنے دل میں رکھتے ہوئے ان سے سوال کرتے وہاں کے سامنے بڑی
ہاتھ میں ہاتھ پکڑ کر گزرتے ہیں۔ دراصل وہ اس چیز کو قطعی ذہن سے نکال دیتے
ہیں کہ محبوب اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے بھی مداخلت کرنے کے
لیے تیار تھے۔ لڑنے کے بعد دونوں کو اس بات سے اطمینان دلایا جاتا تھا
اور ان سے توبہ کرائی جاتی تھی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے
ان تمام رسوم سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بزرگ ہمیشہ اپنے آقا کی مرضی
کے تابع رہتے تھے اور اپنے مالک کی قوت و اختیار کے قائل تھے۔

لَا تَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَأَنْتَ مِثْلُهُ

عَارٌ عَلَيْكَ إِذَا فَعَلْتَ عَظِيمُ

ابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَانْهَهَا عَنْ غَيِّهَا

فَإِذَا انْتَهَتْ عَنْهُ فَأَنْتَ حَكِيمُ

فَهُنَاكَ يُقْبَلُ مَا تَقُولُ وَيُشْتَفَى

بِدَوَائِكَ الْمَبْذُولُ وَالتَّعْلِيمُ

فَهُنَاكَ نَفْسُكَ لَا تُطِيعُ هَوَاهَا

وَتَخَافُ مَا فِيهِ عَلَيْهَا لَوْمُ

فَتَرَى الْمَذَلَّةَ وَالْمَهَانَةَ فِي الَّذِي

تَهْوَى وَتَعْلَمُ أَنَّهُ مَذْمُومُ

اس بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفل و عمل میں بڑی سیڑھیوں کے
ل نے سے وقت بچے ہوئے تیر سے کوئی نہیں بچ سکتے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[

[illegible]

یہ حدیث صحیح لاسناد ہے اور اس میں جرح کی گنجائش نہیں تاہم
لوگوں نے بنی غفار کے نظر سے اس کا انکار کیا ہے۔ ان کے شبہات یہ ہیں۔

مخالفین کے شبہات ۱۔ مکھی بہت سی ایسی گندگیوں پر بیٹھ
جاتی ہے جن میں مختلف بیماریوں کے جراثیم موجود ہوتے ہیں مکھی ان
گندگیوں کو کھاتی ہے اور کھاتے وقت بہت سے مہلک جراثیم اس کے
پیٹ میں چلے جاتے ہیں چنانچہ جب وہ کھانے اور پینے کی چیزوں پر بیٹھتی
ہے تو یہ جراثیم اور گندگیوں کو جنہیں وہ اپنے ساتھ اٹھا کر لاتی ہے کھانے
پینے کی چیزوں میں چھوڑ جاتی ہے۔ اس طرح کھانا گندا اور مہلک ہو جاتا ہے جس کو کھا کر کسی انسان
کے بچنے کی امید نہیں۔

۲۔ حدیث نے نہ صرف یہ کہ کھانے سے روکا بلکہ اس کے کھانے
پینے کی چیزوں سے بھی دور رکھنے کا حکم دیا۔ اس نے حکم دیا کہ
اگر مکھی کھانے میں گر جائے تو اسے بھی ڈبو لیا جائے تاکہ وہ جراثیم
جو اس کے پیٹ میں ہیں کھانے کے اندر پہنچ کر کیا نہ کریں۔

۳۔ مکھی کے بنائے ہوئے شہد کو ہم کھاتے ہیں لیکن ہم اس کی مکھی سے
کبھی نہیں گھن کرتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ مکھی نے شہد کو اپنے
پیٹ سے نہیں نکالا ہے۔ اسی طرح مکھی کے منہ سے نکلی ہوئی چیز
کھانے میں ہمیں گھن نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ حدیث کی طرح بھی ہمیں

ذیل میں بیان کرتے ہیں:

جواب | بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے جس کا حدیث بھی اقرار کرتی ہے۔
مکھی پہلے سے تھوڑے سے فائدہ کی چیز اٹھا لاتی ہے اور آخر انہیں کھانے
پینے کی چیزوں میں ڈال دیتی ہے۔ حدیث صاف الفاظ میں کہتی ہے: فی
احدی جناحیہ داء، مکھی کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسری میں
شفا۔ ہر ایک لفظ آپ نے سن لیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ جس چیز کو
حدیث ثابت کرتی ہے اور یہ لوگ اس سے ناواقف ہیں وہ یہ ہے کہ
مکھی کے پر میں کس بیماری کی شفا بھی ہے یعنی وہ بیماری جسے اٹھاتی ہے
اور اس کا علاج بھی۔ زہر بھی رکھتی ہے اور اس کا تریاق بھی۔ یہ پڑھنا ان
لوگوں نے بے سمجھے موقوف کر دیا کہ کس شفا کو حدیث بیان کرتی ہے
وہ تو ہمیں نہیں ہے۔ ان کا ذریعہ علم یہ ہے کہ مکھی قطعاً کوئی شفا نہیں رکھتی
ان کی علمی پہنچ اس سے آگے نہیں جا سکتی۔ انہیں معلوم ہے
جو کچھ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ کسی چیز کے ناواقف ہونے سے اس کا
نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ شفا کے موجود
ہونے کی ایک بھی دلیل نہیں دے سکتے۔ البتہ جس چیز کی دلیل وہ دے سکتے
ہیں۔ اور جو بات وہ تسلیم کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مکھی اپنے ساتھ
زہر بھی رکھتی ہے۔ شفا کے نہ ہونے کو عقل ثابت کر سکتی ہے اور نہ

[illegible] انسان کو [illegible] سے محفوظ رکھتا ہے تو [illegible] کی بیماری
[illegible] سے [illegible] رہنے والے [illegible] کا ٹیکہ لگا دیا جاتا ہے
[illegible] کے اندر [illegible] سے [illegible] والا ایک [illegible] ہے
[illegible] کی طرح [illegible] کا بھی یہی حال ہے۔ بلکہ بعض [illegible] بچے
[illegible] سے [illegible] کے [illegible] کا ٹیکہ لگا جاتا ہے [illegible]
[illegible] کے کاٹنے کا علاج ہی ہے غرض [illegible] میں [illegible]
[illegible] سے [illegible] کے [illegible] کافوں لطف سے خالی [illegible]
[illegible] علی لذۃ وأخری لذ وقیت [illegible]

[illegible] سے [illegible] کے [illegible]
[illegible]

[illegible] کافوں سے [illegible]

[illegible]

[illegible] کے [illegible]

بعض بار ایسی میں جو ایک [illegible] کے بعد [illegible] [illegible]
[illegible] سے بھیجنے سے بعض دوسری بیماریاں بھی [illegible]
[illegible] کوئی چیز نہیں [illegible] ایک ہر میں بعض ایسے [illegible]

[illegible] سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح شہد
[illegible] ایک طرف اپنے اندر وہ شفا بھی رکھتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شفا قرار
دے دوسری طرف وہ دوا بھی کہتی ہے جو ہر بیماری کے

لغو ہیں حدیث مذہب اپنے حکم میں کوئی دوسری نہیں ہے بلکہ موجود
[illegible] ہیں جن کے بیشتر حصہ
[illegible] کے سوا کچھ بھی نہیں۔

[illegible] کچھ کہا ہے اس کا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ حدیث
[illegible] ہے اور چند دن کی بھی دلچسپی نہیں ہے
[illegible] کی تحریروں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے

[illegible] مؤلفہ دکتور کے ایک مضمون کا
ترجمہ

[illegible] جو مجلہ مدینہ [illegible] میں ایک مفصل مضمون
[illegible] کا حاصل یہ ہے۔

[illegible] کے بعض [illegible] پر پہنچتے ہے جو [illegible]
[illegible] ہیں [illegible] کی بیماریوں سے چھٹانے کا [illegible]
[illegible] میں سے بعض [illegible] پیٹوں سے چمٹ جاتے ہیں اور کچھ
[illegible] ہیں [illegible] ایک [illegible]
[illegible] کا نام اہل عرب کی اصطلاح میں [illegible]

[illegible] ہے جو [illegible] خصوصیت رکھتا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے بعد [illegible]

[illegible]

ہوگا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بیان کر [illegible] وحی خداوندی کے

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible] ذرا سے [illegible] کے لئے سکوت فتیا کرنے پر
[illegible] بیا علم نہ ہوتے ہوئے سکوت فتیا کرنا مناسب نہیں تو
[illegible] کی بنا پر سب کو حکم تھا۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ "اے نبی جو چیز تمہیں معلوم نہیں اس کے
[illegible] جس کا تمہیں علم نہیں ہے

[illegible] یہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت
[illegible] ہے ورنہ حدیث کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے
[illegible] پر مبنی سمجھنے سے کوئی چیز نہیں کر سکتے۔ کیا آنجناب سے
[illegible] مناسب تھا [illegible] بلکہ معاملہ یہاں تو جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں
[illegible] ہے جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی
[illegible] آپ نے [illegible] اور کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اپنی ذاتی
[illegible] رائے ہو تو [illegible] دینے کی صورت میں آپ
[illegible] آپ کا اس کی پوری وضاحت [illegible] کا کمال
[illegible] کرنا آپ [illegible] بڑے ہی علمی کی ہوتی۔ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں
تو بدیں تدبر آپ کی منشی کو رفع کیوں نہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے
نبی کو سہو و نسیان کے باوجود غلطی پر برقرار رکھنا تھا۔ علاوہ ازیں
[illegible] کے اس قول سے لوگوں میں یہ [illegible] فتنہ کا دروازہ کھل سکتا

[illegible]

اَنتُم اَعلَمُ بِاُمُورِ دُنیاکُم

(تمہیں اپنے دنیوی کاموں کا مجھ سے زیادہ علم ہے)

حضرت طلحہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے چند دن پہلے نر کھجوروں کے درختوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا کھجوروں میں پیوند لگا رہے ہیں تاکہ نر کا مادہ اس میں پہنچ جائے۔ آپ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ جب ان لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے پیوند لگانا چھوڑ دیا۔ لیکن جب آنحضورؐ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ اگر پیوند لگانے سے فائدہ پہنچتا ہے تو ایسا کرتے ہیں اس سے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ میرا تو ایک خیال کا بیان تھا پس اس پر عمل نہ کرو۔ میں اللہ کی طرف سے کچھ بیان کروں تو اسے تو لینا میں اپنی طرف سے جو بات کہوں وہ بشر کی ہے۔

رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ کھجوروں میں قلم لگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ نہ کرو تو اچھا ہے کہ نہ کرو۔ اس پر ان لوگوں نے ایسا نہ کیا تو پیداوار کم ہوئی۔ جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ

[illegible]

[illegible]

[illegible] غلطی نہیں ہو سکتی۔

[illegible]

۴۔ جس چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی امر فرمایا ہے اور
جس کے متعلق آپ نے [illegible] ہے کہ آپ نے بھی ویسے ہی کہا ہوگا۔ یا یہ کہ
آپ کی رائے دوسروں سے بیان کیا ہوگا۔ دوسری صورت میں وہ طرز بھی
ویسا ہی نقل ہے جیسے کہ آپ کے پاس سے وہ پہنچا ہے۔ البتہ پہلی صورت میں
غلطی کا امکان ہے جب کہ خود حدیث سچی ہے۔

۵۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی امور دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جن کا
[illegible] رائے کا اجتہاد پہلی قسم ہے [illegible] رسول صلی اللہ علیہ وسلم
سے مخصوص ہیں۔ دوسری قسم میں خطا کا امکان ہے۔

ان دونوں کا بعض طور پر امور دنیا سے متعلق ہے [illegible] کہ ان میں
خطا کا امکان [illegible] ہے کیونکہ جس حدیث کو اس نے [illegible]
[illegible] ہے اس سے خود ان کا [illegible] ہوتا ہے [illegible] امور جن پر آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے یقین سے فرمایا ان میں آپ کا [illegible]
[illegible] کبھی [illegible] نہیں کی [illegible] امور جن کا تعلق امور غیب سے ہے مثلاً
قیامت کی علامات [illegible] حدیث دجال [illegible] عرش کے نیچے [illegible]
[illegible] امور ہیں جن کا تعلق [illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا [illegible]
[illegible] سے بیان کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ یہ حدیثیں [illegible]
[illegible] الکذب [illegible] سے [illegible] ہے [illegible]

سورۂ نجم پڑھی

[illegible]

(سورۂ نجم)

اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ [illegible] قریش کے سردار تھے اور [illegible] بھی مشرکین کو [illegible] سے بے پروا ہو کر مشرکین کو سمجھانے میں مشغول ہو گئے صرف اس لیے کہ [illegible] ان پر بھی [illegible] جمع کریں اور [illegible] ان کو [illegible] جس نے محروم ہو کر [illegible] ہے [illegible] اس کی طرف اللہ کی طرف سے کوئی [illegible]

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ	آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ زبردست
حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ	ہے۔ اگر اللہ کا لکھا ہوا سبقت نہ کر چکا
سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ	ہوتا تم نے جو فدیہ لیا
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال - ۹)	اس میں تم کو عذاب عظیم پکڑتا

اس آیت کے نازل ہونے کا واقعہ یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے غزوہ بدر میں مشرکین کے بہت سے سرداروں کو جو قتل کے لائق تھے قید کر لیا۔ اب مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ انہیں قتل کیا جائے محض فدیہ لے کر انکو دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے فدیہ لے کر رہا کر دینے کی تھی لیکن حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سب کو قتل کر دیا جائے۔ اس پر آیت نازل ہوئی جس میں حضرت عمرؓ کے قول کی تصدیق ہوتی ہے اور اسے حق قرار دیا گیا ہے۔ اس پر آنحضور اور حضرت ابوبکرؓ رونے لگے۔

اس واقعہ کو امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ	اللہ نے تم کو معاف کر دیا تم نے ان کو
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	کیوں اجازت دے دی یہاں تک کہ تم پر ظاہر
وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝	ہو جاتے کون ہیں اور تم جھوٹوں کو

(توبہ - ۴)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] دیکھیے [illegible] ترجیح کی کوشش [illegible]
[illegible]۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں اپنا اپنا بچہ لے جا رہی تھیں کہ بھیڑیا آیا اور دونوں میں سے ایک کا بچہ اٹھا لے گیا۔ ایک عورت دوسری سے کہنے لگی کہ بھیڑیا تمہارا بچہ لے گیا۔ اس نے کہا نہیں تیرا بچہ لے گیا ہے۔ دوسری نے کہا نہیں یہ میرا بچہ ہے تیرا بچہ بھیڑیا لے گیا۔ دونوں حضرت داؤد کے پاس گئیں۔ آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس کے بعد حضرت سلیمان کے پاس آئیں اور تمام جھگڑا بیان کر کے فیصلہ چاہا۔ آپ نے کہا میرے پاس ایک چھری لے آؤ میں بچہ کو دو حصوں میں بانٹ کر ہر ایک کو ایک ایک ٹکڑا دیئے دیتا ہوں۔ چھوٹی نے کہا ایسا نہ کریں اے سلیمان! خدا آپ پر رحم کرے واقعی یہ بچہ اسی کا ہے اسی کو دے دو اور حضرت سلیمان یہ سمجھ گئے کہ بچہ چھوٹی کا ہے اور اسے دے دیا۔ (بخاری و مسلم)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام دونوں نے اپنی اپنی سمجھ سے اجتہاد کیا۔ ایک کا اجتہاد درست نکلا اور دوسرے کا غلط۔ سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

وداؤد وسلیمان اذ یحکمان [illegible] فی الحرث . [illegible]

مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ
مَنْ فَتَحَ ذِيْلَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ
وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا
نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر)

دیکھو تقسیم غنائم — ہر ایک دنیادار مرے — کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا:

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ
وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر)

کیا اس پر بھی یہ لوگ اپنی اس روش سے باز نہ آئیں گے؟

الغرض مندرجہ بالا بیان سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ ان کو یہ قول تمام دنیاوی امور میں سنت آنحضرت ﷺ کے خلاف کا امکان تھا۔

مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا	صرف یہی نہیں بلکہ فیصلہ کرنے کے بعد آپ
تَسْلِيمًا (النساء ۶۵)	کے کئے فیصلے کو بصد دل و جان تسلیم بھی کریں۔

صحیح حدیث میں ہے کہ اس آیت کا نزول آنحضورؐ کی طرف دنیاوی امور میں فیصلے لے جانے کے بارے میں ہوا ہے۔ اسی طرح فرمایا:۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ	"اے نبی! کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا جن کا دعویٰ
أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا	ہے کہ وہ قرآن اور پہلی کتابوں پر ایمان رکھتے
أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا	ہیں۔ حالانکہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جھگڑے
إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا	طاغوت کی طرف اپنے فیصلے لے جائیں حالانکہ
بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ	انہیں خدا کی طرف سے حکم ملا ہے کہ وہ
ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء ۶۰)	طاغوت کا انکار کریں۔ اصل معاملہ یوں ہے کہ شیطان
	ان کو گہری گمراہی کے گڑھے میں گرانا چاہتا ہے

صحیح حدیث میں ہے کہ یہ آیت دنیوی امور میں فیصلہ لے جانے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جو اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا تھا۔ نیز فرمایا:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى ۝ مَا ضَلَّ	قسم ہے ستارے کی جب وہ ڈوبتا ہو کہ
صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى ۝ وَمَا يَنْطِقُ	(نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بھٹکا ہے اور نہ گمراہ ہوگیا

احادیث الدجال

حدیث میں دجال کا واقعہ

صحیح مسلم و بخاری کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبوں میں جن سے بڑھ کر اور کوئی خطبہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں اور قیامت کے پہلے ایک نہایت ہی جھوٹا اور فتنہ پرداز انسان ظاہر ہوگا جس کا نام مسیح دجال ہوگا۔ وہ اس کے ہاتھوں بہت سے مسلمان گمراہ ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب میں اس سے وہم پیدا ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ نے بندوں کا امتحان لے کر جو بندے اس کے فتنہ سے بچنا چاہتے ہیں ان کے لئے ایک امتحان مقرر کر دیا ہے۔ جس وقت منافق فتنہ سے بچنے کا راستہ مسدود ہو جائے گا کہ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق دجال کو متبع سمجھ لے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان روایات کو جن صحابہ نے نقل کیا ہے اور جن ائمہ نے انہیں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے ان کا شمار ممکن ہے مسلمانوں میں اس درجہ کثرت اس شدت سے ہے کہ کسی استدلال کی ضرورت ہے اور نہ کسی شک کی گنجائش۔ نتیجہ ہے کہ وہ نبی پنجوں نمازوں میں ہمیشہ دجال سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ ان کی نسبت یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ نہیں رہتے جس کے فتنہ سے محفوظ اور اپنی

ہے۔ بخاری سے جو یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی۔ ان کے اس قول سے وہ
موضوع اس روایت بیدا ہو سکتی ہے کہ پیر لفظ دل حدیث کا ہے
صفحہ ۱۲۵ کے دیے ہوئے قرینوں حدیثوں، نکتہ اور بیانی امور میں
دل تدلی تھا۔ اور آلہ وسلم سے خطا کا امکان تھا اس لئے کہ آپ نے
ن کی رائے کو رد ہونے کی نہ پہ جتنا دیا تھا۔ چنانچہ ان کا منہ
سے ہے۔ اگر یہی حال رہا تو وہ وقت دور نہیں جب یہ جملہ بیل
ہمارے سامنے خود آجائیں گی۔

[illegible] رکھنے فتنہ دجال کی حقیقت [illegible] سے لگا [illegible]
[illegible] سے [illegible] کو ساتھ [illegible] ہے [illegible] سے [illegible]
[illegible] سے [illegible] دی [illegible] ہے اس کی [illegible] معلوم [illegible] ہے کہ [illegible]
[illegible] ہے اور [illegible] دونوں [illegible] ایک دوسرے سے [illegible]
[illegible] کے [illegible] کا علم [illegible] ہے کہ آنحضرت [illegible] بلکہ [illegible]
[illegible] تمام [illegible] ہے کہ لوگ [illegible] نمازوں کے [illegible] سے [illegible]
[illegible] کے ایک [illegible] کا خیال ہے کہ جس نے [illegible] نمازیں [illegible]
[illegible] اس کی نماز [illegible] ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے
[illegible] اور [illegible] سے [illegible] بذات خود ایک [illegible]
[illegible] سے [illegible] خلاصہ یہ کہ [illegible] سے اپنی پناہ میں رکھتے۔

عام مسلمانوں کو دجال کے متعلق قطعاً کسی قسم کا شک نہیں جیسا کہ نیچریوں کو ہے اس میں شک نہیں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پیدا ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے ہجرت فرمائی۔ وہیں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں آپ دفن ہوئے وہاں آپ نے مسجد بنائی۔ دجال کے ظہور سے پہلے ہی قدرتی طور پر جس طرح وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح کیا اور سب کی زندگی ہی میں قریش کے کفار اور عرب کے سرکش سے سرکش رئیسوں کو زیر کر دیا تھا بلکہ دجال کے متعلق ان کا علم اسی یقینی سے بڑھا کر وہ جانتے ہیں

ان لوگوں کے اپنے کلام میں تناقض ہے جس چیز کو ایک جگہ ثابت کرتے ہیں
بتاتے ہیں اور دوسری جگہ سے خود اپنے اقوال سے اڑا دیتے ہیں جس کے
باوجود عقل سے بعید نہیں ہے کہ وہ نہیں عقل اور ہوش کی دلیل سے
نزدیک اب ہم ان علماء کے مختلف اقوال بیان کریں گے ان کے جوابات
درج کریں گے بعون اللہ و توفیقہ۔

احادیث دجال پر مختلف شبہات اور ان کا ازالہ

شبہات احادیث دجال کے متعلق عام طور پر چند شبہات پیش کئے جاتے
ہیں۔

۱۔ اگر واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہوتا کہ قیامت سے پہلے دجال ظاہر
ہوگا اور لوگ اس کے ظاہر ہو جانے تک قیامت کے آنے سے بے خوف ہو جاتے
اور اس کی اچانک آمد سے ہمیشہ غافل و بے سامان رہتے۔ لوگوں کا خوف اور فکر
اسی میں ہے کہ وہ قیامت کے اچانک آپہنچنے سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں تاکہ طرح
اس بات کا خیال باقی ہے اور وہ گناہوں سے بچ کر خدا کے غضب و غضب سے
بچنے کی کوشش کرتے رہیں۔

۲۔ دجال کا قیامت سے پہلے ظاہر ہونا قرآن کریم کے خلاف ہے
اس لئے کہ قرآن قیامت کے بارے میں صاف فرماتا ہے [illegible]

بن مروان، مامون، عنترہ العبسی، امرالقیس، بحتری، ابو تمام، بلکہ ہمارا گمان ہے کہ جو آدمی ان کے بارے میں ذرا بھی شک کرے ہمارے یہ علماء کرام ان سے گفتگو کرنا بھی پسند نہ کریں گے۔ حالانکہ احادیث دجال ان لوگوں کی خبروں سے کہیں زیادہ متواتر اور صحیح ہیں۔ اگر آج کوئی شخص کھڑا ہو کر مصر میں فاطمیین کی جو میں قرامطہ کی اور ہندوستان میں خاندان مغلیہ کی مترجم کی حکومت کا انکار کر دے تو اسے ان لوگوں میں شمار کیا جائے گا جن سے گفتگو کرنا کوئی عقلمند پسند نہیں کرے گا۔ بلاشبہ دجال کے متعلق جو خبریں معلوم ہیں وہ ان حکومتوں سے کہیں زیادہ ہیں اور خاص و عام کو جتنا علم دجال کا ہے، ان حکومتوں کا ہرگز نہیں۔ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ کے ہر رکعت کے شروع میں پڑھے جانے، نماز کی تکبیرات اور قیام کی قرأت اور جلوس کے تشہد میں شک کرے تو ہمارے نزدیک اس میں اور اس آدمی میں ہرگز کوئی فرق نہیں ہے جو اس بارے میں شک کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ظاہر ہونے کی اطلاع دی ہے۔

ہمارے مندرجہ بالا بیان کا مطلب یہ ہے کہ دجال کے بارے میں شک کرنا ایک واضح چیز میں شک کرنے کے مترادف ہے۔ یہ شک کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اور کسی شخص کا اس کے متعلق عذر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ہم انہیں علماء کو دیکھتے ہیں کہ جب انہیں اپنے مخالفین کی تردید کرنا ہوتی ہے تو اجماع، تواتر اور شہرت کے دعووں کو بار بار دہراتے ہیں۔ لہٰذا ہم ہرگز زیادتی نہ کریں گے اگر ہم یہ کہہ دیں کہ

بیماری کی نوعیت بیان کرتی ہے۔ یہ بیماری نفسیات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا
علاج کیا جائے تو یہ تمام تر نفسیاتی ہے۔ اس میں ہپناٹزم کا بھی استعمال ہوتا ہے۔
اس کے علاج کے لئے ڈاکٹر کو مریض کی نفسیات پر پوری توجہ دینی چاہیئے۔
جنس سے متعلق دیے گئے خیالات بدلنے چاہئیں۔

جواب: ہم ان لوگوں کے دل سے توہمات کو کیسے نکال سکتے ہیں
جو ان میں خود بھی شک کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی شک میں ڈالتے ہیں۔
ہم خدا سے مدد اور تائید چاہتے ہیں۔ اس کا جواب ہمیں دیتے ہیں۔

ڈرنگ: توہمات کے خیال سے ہمارے ذہن میں ایک خوف پیدا ہوتا ہے۔
ہمارے ذہن میں ایک خوفناک تصویر بن جاتی ہے۔ اس خوف کے خیال سے
ہمارے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ ہر وقت خوف کا احساس رہتا ہے۔
کیونکہ اس کا تعلق ایک بہت بڑی قوت سے ہوتا ہے۔ ذہن کے اندر ایک تصویر
بن جاتی ہے کہ جس کی توقع ہر وقت رہتی ہے۔ توہمات کے خوف کی بنیاد یہ
یقین ہے کہ لوگ خیال کے خوف سے اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتے۔ اس
کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ہر وقت خوفناک تصویریں
بنا کر ان کے دل سے خوف کے تصور کو دور نہیں کر سکتے۔

اب ہم اس خوفناک کیفیت کی کمزوری سے توہمات کے ذریعے
ہپناٹزم اور نفسیات کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ آپ بیمار کو یقین

قیامت نگہاں ہی آ پہنچے گی۔ اگرچہ اس سے پہلے واقعی دجّال کا ظہور مان لینے
اور دجّال کو قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ٹھہرا لیا جائے تو قیامت
اپنی جگہ رہے گی۔ نہ تو کسی طرح قیامت کی علامات اور علم کے منافی ہوگا
اور نہ ہی ممکن ہے۔

۴۔ یہ دجّال اپنے متعلق بڑے بڑے دعوے کریگا اور اپنے آپ کو بڑا
عظیم الشان قرار دے گا۔ بیشتر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ الناس کے بعض بڑے
بڑے فتنوں کو رفع کرنے لگا اور روئے زمین پر پوری طرح چھا جائے گا۔ مادی قوتوں کی
پرستش کرنے والے ہیں سے کہ وہ کھیتوں اور بادل پر بھی کی تائید کرے اور غیر
معمولی چیزیں عطا کرے جن کے ذریعے وہ زیادہ سے زیادہ فتنہ برپا کر سکے
اور اپنے غلط طریق کو دنیا میں رائج دے سکے۔

۴۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دجّال کو ایسے خوارق
عطا کرے گا جو بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مشابہ ہوں گے تاکہ
اس سے انبیاء کی صداقت میں کمی واقع ہوتی ہے۔

۵۔ اس سلسلے کی تمام روایات میں بہت زیادہ تناقض اور اختلاف
پایا جاتا ہے جس سے سب کو ساقط کر دینا لازم آتا ہے اور ضروری معلوم
ہوتا ہے کہ ان میں کسی پر بھی اعتماد نہ کیا جائے۔

۶۔ یہ دجّال ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوگا۔

۲ — دجال کے آنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو دنیا اس بات کی منتظر ہو کہ قیامت واقع ہو گئی یا اس بات کی کہ قیامت بالکل قریب آ گئی ہے۔ پہلی صورت میں اس کا آنا گویا قیامت کا آنا ہوگا۔ اب جو خرد دجال کے آنے تک قیامت بھی نہ آئے گی اور اس کے آنے کے بعد قیامت کے آنے تک ایک چوتھائی دنیا کی عمر ہے۔ دوسری صورت میں قیامت کے بالکل قریب ہونے کا علم اس کے آنے کے بعد ہی ہو جانے میں مانع نہیں ہے۔ اس کی تائید قرآن سے ہوتی ہے۔ فرمایا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ — قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ — لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا۔

یہ دونوں آیات آیت لاَ تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ کے مخالف نہیں ہیں۔ کیا لوگوں کو قیامت کے قریب ہو جانے کا یقین اس کے بالکل سر پر پہنچ جانے کی نشانی ہے؟

مخالفین یا تو قیامت کی کچھ علامتیں ہونے پر ہماری موافقت کرتے ہیں یا موافقت نہیں کرتے ہیں تو وہی اعتراض جو یہ دجال کے متعلق کرتے ہیں، ان علامات پر بھی وارد ہوگا۔ جن باتوں کا یہ ان سے اس کے جو ان کا جواب ہوگا وہی ہمارا بھی ہوگا۔ اور اگر وہ موافق نہیں ہیں تو قرآن کی صریح آیات کی مخالفت کرتے ہیں:

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ — اگر ہم چاہیں تو کھیتی کو چورا چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔

خالقِ کائنات ارشاد فرماتا ہے :-

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ

(محمد ۲۰)

پس یہ کافر صرف اس چیز کا انتظار کرتے ہیں کہ قیامت ان کے پاس ناگہاں آپہنچے۔ سو اس کی علامات آگئی ہیں پس جب قیامت آجائے گی تو ان کا نصیحت قبول کرنا کہاں ہوگا

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا

(انعام ۱۰۰)

یہ کافر صرف اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تمہارا پروردگار آئے یا تمہارے پروردگار کی کوئی نشانی آئے جو کافر پس دن تیرے پروردگار کی کوئی نشانی آئے گی تو کسی کو اس کا ایمان نفع نہ پہنچا سکے گا :-

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ (نمل ۸۲)

اور جب ان پر ہمارا قول واقع ہونے کا آئے ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہ رکھتے تھے ۔

پس اے ان علمائے کرام کو چاہیئے کہ اپنے اس شبہ پر از سر نو غور و فکر کریں اس لئے کہ ہر وہ چیز علم نہیں ہوتی جو لکھ دی یا بیان کر دی جائے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] مخالفین دجّال کے متعلق کرتے ہیں اس کی زد ان دو آیات
[illegible] سے ان دونوں سے یہ شبہ قرآن حکیم کی خاص کتاب کے بیان کی
[illegible] دوسرے سراسر باطل اور بے بنیاد ہوتا ہے لیکن مخالفین نہیں جانتے
کہ نبوت کو دنیا بہت سے دوسرے لمبے لمبے وقفات کے بعد
[illegible] ہیں کہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ قیامت آج کل یا پرسوں
[illegible] نبوت کے ایمان تک پہنچنے کے قائل ہیں

[illegible] کی سنت جس پر سے انکار کرتے ہیں وہ ہے
[illegible] کہ نبوت کی گئی ہیں دی جائیں جن سے ان کے
[illegible] کوئی ایسا ذریعہ نہ ہو جس سے الہام
[illegible] لیکن یہ پیغمبر اللہ کی سنت کے خلاف
[illegible] اللہ کے بندے حوالہ پر بھیجتے ہیں
[illegible] لوگوں کو کچھ نوٹس دے دیئے جائیں اور ساتھ ہی یہ بتا دیا جائے
[illegible] یہ باتیں جھوٹ اور گپ ہیں [illegible]
[illegible] بڑے بڑے کرامات کو قوت عطا
[illegible] علوم و فنون دیتے ہیں جو اللہ کے ان بندوں کو
[illegible] ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مشرک قوموں کے پاس وہ علوم
[illegible] وسیع ملکیت ہے کہ ایک چیز بھی مسلمانوں کے پاس نہیں

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی [illegible] [illegible] [illegible] اندھے ہو چکے [illegible] وہ [illegible] کے ساتھ [illegible] اس دور دجال کے ساتھ ہی کھیلے گا ۔ [illegible] [illegible] دوزخ ہو گا ۔ جب [illegible] دیکھنے والے [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ہو گی [illegible] [illegible] دنیا کی [illegible] سے [illegible] [illegible] وقت ہی رہے گا ۔

پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کے [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] دجال کے ساتھ ہی [illegible] ۔

یہ دجال کی تمام احادیث کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] آدمی ہو گا جو [illegible] [illegible] [illegible] عقل اور خواہشات و قوت [illegible] [illegible] [illegible] دیکھتے ہیں ۔ [illegible] [illegible] پھیلانے والوں کو اسی طرح [illegible] [illegible]

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ (زخرف - ۳)

"اور اگر لوگ ایک ہی امت ہوتے تو ہم رحمٰن کا انکار کرنے والوں کے گھروں کے لئے چاندی کی چھتیں، سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھروں کے لئے دروازے اور تکیے جن پر وہ ٹیک لگاتے اور سونے کی زینت بنا دیتے۔ یہ تمام چیزیں دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت تیرے پروردگار کے پاس خدا ترس لوگوں ہی کے لئے ہے۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت ان تمام چیزوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس سے کفار کی عزت، بڑائی و فضیلت معلوم ہوتی ہو جیسا کہ دنیا کی صحت، قوت، مال و دولت و شہرت وغیرہ سے کوئی چیز بھی انسان کے لئے باعث فضیلت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ہمارا وفادار دشمن خدا اس کے رسولوں پر غالب آگئے ان میں سے بعض کو قتل کر دیا۔ دوسرے کو گھروں سے نکال دیا اور باقی کو مختلف طرح کی تکلیفیں دیں۔ اگر یہ چیز فضیلت و تسلط اور تمکین کی دلیل ہے پھر بھی اللہ کی سنت کے خلاف نہیں ہے۔

کھتے ہیں۔ مانگ لیتا ہے کہ یہ لوگ کہ یہ لکھتے ہیں
پہنچتے ہیں کہ وہ عمر ہر تک قرار نہیں پاتے کہ
قرآن کو سمجھ سکیں۔

۴۔ چوتھا شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں
جو نبیا علیہم السلام کے معجزات کے شاہد ہیں کہ
علیہم السلام کی صداقت میں کسی واقع تک
ہتے ہیں:۔

نبیا علیہم السلام کے معجزات اور دجال کے تعلقات
ہے جو نبیا اور دجال کی ذات میں ہے۔ نبیا کے معجزات
ہے کہ تب ہاں دو قسم ہیں ہیں کہ دجال
ہے۔ جادو کی نوعیت اور نبیا کے معجزات
اللہ تعالیٰ دجال کو ایسے کرتب دے گا جو عقل
ہیں کی ذات اس کی دعوت اور اس کی
خبیث ہونے پر واضح دلیل بن کی چنانچہ اس
دیبان کا ذکر ہے۔ اس کی ایک آنکھ
ہونے کا کرے کا نہ کہنی ہونے کی
والے صاف سمجھ جائیں گے کہ ایسا آدمی کبھی

ہم پڑھتے ہے کیا وہ اس کا تمدن اس کی فیشن پرستی اس کی زیبا
اس کا تشدد اور اس کی عورتیں لوگوں کو پسپا لانے اور ضمیر کو تباہ کرنے
میں کسی دجال سے کم درجہ رکھتی ہے؟

الغرض دجال کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف کوئی
نہیں ہوگی۔ حدیثیں صاف بیان کرتا ہے کہ دجال حضرت عیسیٰ کے
بعد ہی پیدا ہوگا اور جب وہ زمین کو اپنے فتنہ سے رنگ دے گا
تو حضرت عیسیٰ اسے قتل کر دیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت
یہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو دنیا کے سرکش طاغی باغی لوگوں کی مدد
کے لئے بھیجتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کے مقابلہ کے لئے
حضرت یحییٰ اور عیسیٰ کو یہودیوں کے لئے بھیجا۔ اس لحاظ سے ہر
قوم میں چھوٹے اور بڑے نبی بننے والے لوگوں کچھ نہ کچھ
اور پیغمبر خلاف عادت قوتیں دے دیتے ہیں جو ان کی حقیقت اور
کو بھی لوگوں پر ظاہر کرنے کے اسباب پیدا کر دیتے تو پھر
اس کی طرف سے ان کی تائید نہ ہوگی۔

دراصل مخالفین اسی طرح کے کمزور دعووں پر اعتماد کرکے ثابت
صحیح احادیث کو رد کرتے رہتے ہیں۔ ان لمبے چوڑے دعووں کی بنا
جنہیں وہ ہمیشہ دہراتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے زعم میں اللہ کی سنت

[illegible]

بمقابلہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات نہایت فیصلہ کن دشمن کی ہر کوشش کو
اور ہمیشہ جیتنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس ایسی چیزیں ہوتی ہیں
جو ان کی سچائی اور ان کے دعوی کی عمدگی اور قابل قبول ہونے پر
دلیل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جادوگروں اور جھوٹے نبیوں کو نہایت ہی
عجیب و غریب کرتب اور نرالے شعبدے دیتا ہے۔ ان پر شیاطین نازل
ہوتے ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرنے اور صحیح راہ سے پھسلانے میں ان کی مدد
کرتے ہیں لیکن اس چیز سے انبیاء کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آتا
قرآن نے بتایا ہے کہ فرعون کے جادوگروں نے دیکھنے والوں کی آنکھ
پر جادو کر دیا اور انہیں ہراساں بنا دیا۔ اس کے بعد جب حضرت موسیٰ
نے اپنا عصا ڈالا تو وہ سب کا سب نگل گیا۔ جس سے جادوگروں کا جھوٹا دھوکا
کھل گیا اور وہ بیدھڑک کہہ اٹھے۔ دشمنوں کو شکست ہوئی۔ رسل کی جرأت
بڑھی اور کلمہ حق بلند ہوا۔ یہی کچھ دجال بھی کرے گا۔ وہ فتنہ کی آندھی
تمام زمین کو اپنے فساد سے رنگ دیگا۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں لیکن اس
کے مقابلہ میں عیسیٰ کا نزول ہوگا تو وہ اسے جہنم واصل کریں گے اور دنیا
بھی اسے بری طرح شکست دیں گے۔

نبی کے معجزات اور دجال کے کرتب کبھی یکساں نہیں ہو سکتے۔
ہاں کسی کے ہاتھ جو چیز ہوگی وہ نہایت ہی حقیر ہوگی۔ اس کی حیثیت کیا

نہیں تھا۔

الغرض دجّال کے اس صورت میں ظاہر ہونے سے جس کا پتہ حدیث نے دیا ہے نہ تو مسیح اسلام کی ذات اور ان کی صداقت پر کسی قسم کا حرف آتا ہے بلکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ اور ان کی نبوت کی علامات میں سے ایک علامت ہوگا۔

۵۔ پانچواں شبہ یہ ہے کہ دجّال کی روایتوں میں اختلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام روایات درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

جواب یہ شبہ تمام شبہات سے عجیب تر ہے ہم جانتے ہیں کہ دجّال کی شرح تمام امور کی تفصیلات میں اختلاف موجود ہے جیسے محمد بن نصیب ابوبکر الصدیق عبدالملک بن مروان منصور۔ مرزا قیس متنبی امام شافعی امام ابن تیمیہ اور ان کے علاوہ دوسرے تاریخی لوگوں کے حالات پڑھیں گے تو ہمیں ان کی صفات میں ان کی عمر میں ان کی تاریخ ولادت میں ان کی پیدائش میں ان کی رہنے کی جگہوں میں اور ان سے متعلق دوسری چیزوں میں بڑا واضح اختلاف ملے گا لیکن اس اختلاف سے لازم آتا ہے کہ ہم ان تاریخی ہستیوں کے ہونے میں شک کریں یا یکسر رد کر دیں جیسا کہ اوپر سے مخالف علماء نے دجّال کی صفت کے اختلاف کو اس کے وجود اور ظہور میں شک کا موجب

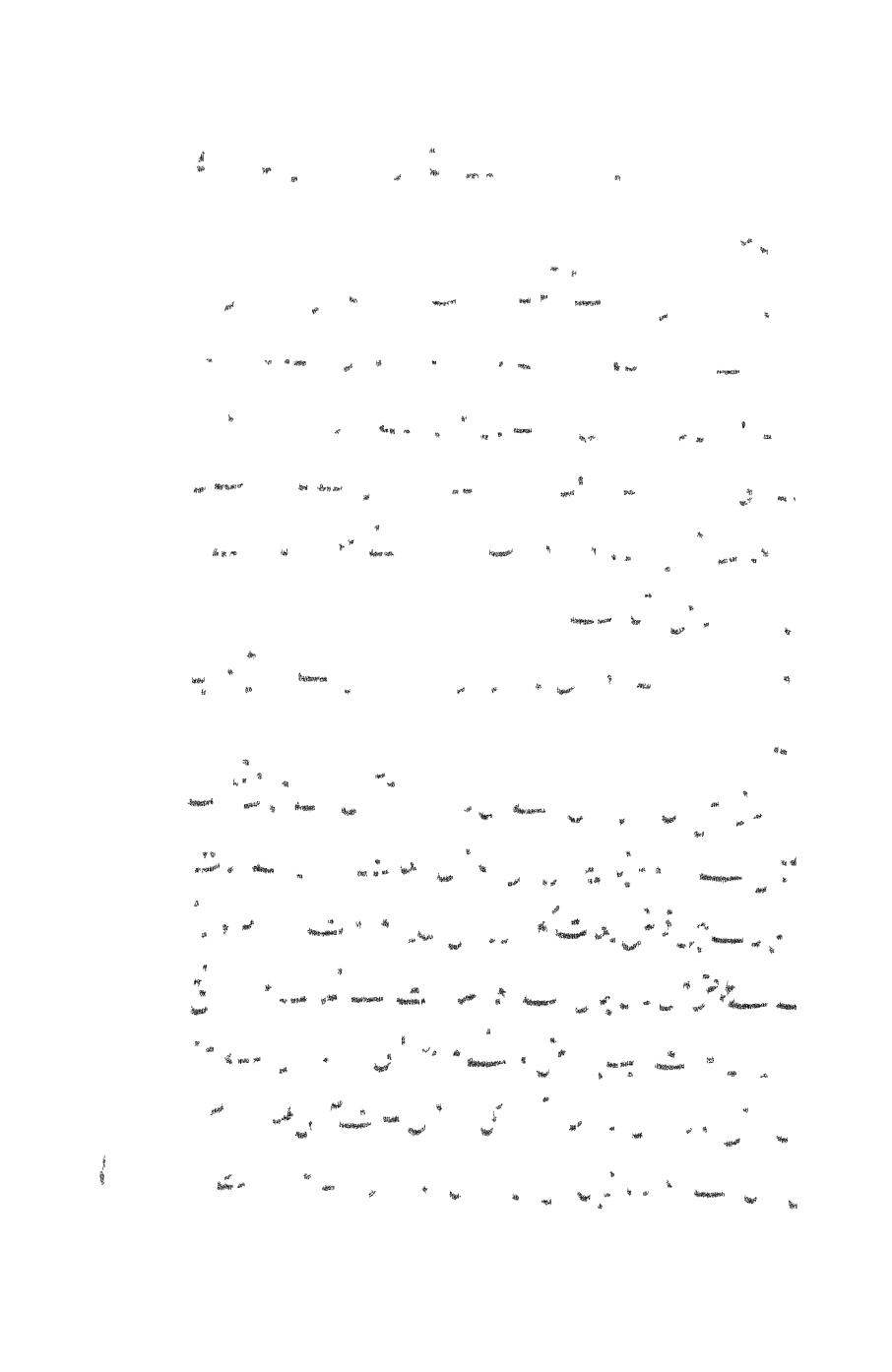

بھی حکم نہیں فرمایا۔ فرض بہت سی ایسی ضروری چیزیں ہیں جن کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اُوتِیتُ القُرآنَ وَمِثلَہٗ مَعَہٗ۔ مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اس کے ساتھ کچھ اور بھی۔

یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ	جس دن تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں
رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا لَمْ	آئیں گی کسی ایسی کو اس کا ایمان نفع نہ دے
تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ	گا جو پہلے سے ایمان نہ لائی ہو یا اس
فِیْ اِیْمَانِھَا خَیْرًا (الانعام رکوع ۱۵)	نے اپنے ایمان میں کچھ کمائی نہ کی ہو

اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب دجال ظاہر ہوگا کسی ایسے آدمی کو ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے مومن نہ ہوگا۔ دجال کا تذکرہ قرآن کی اس آیت میں بھی ہے:۔

ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَۃَ	یہ کافر صرف اس بات کا انتظار کرتے ہیں
اَنْ تَاْتِیَھُمْ بَغْتَۃً فَقَدْ جَآءَ	کہ قیامت ان کے پاس اچانک آپہنچے پس
اَشْرَاطُھَا فَاَنّٰی لَھُمْ اِذَا جَآءَتْھُمْ	اس کی علامت آگئی تو کیا ان کو جب ان کے
ذِکْرٰىھُمْ (محمد رکوع ۳)	پاس آن کر وہ نصیحت کرے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں قیامت کے معنی میں آنے کی بات نہیں بلکہ دجال کے معنی میں ہے۔

حدیث شریف کی
نبوت کے نشانات

تحاج آدم و موسیٰ علیہما السلام

موسیٰ اور آدم کا جھگڑا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

احتج آدم وموسیٰ عند

آدم اور موسیٰ کا جھگڑا ہوا

فحج آدم موسیٰ قال

پس آدم نے موسیٰ پر حجت کی

موسیٰ انت آدم الذی خلقك

موسیٰ نے کہا تو آدم ہے جس کو

الله بیدہ ونفخ فیك من

اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تجھ میں

روحه وامرالملائكة فسجدت لك

اپنی روح پھونکی اور فرشتوں سے تجھ کو

وأسكنك فی جنته ثم اهبطت

سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں تجھ کو رکھا پھر

الناس بخطیئتك الی الارض

لوگوں کو تیرے گناہ کے سبب زمین

فقال آدم انت موسیٰ الذی

پر اتارا آدم نے کہا تو موسیٰ ہے جس کو

اصطفاك الله برسالته و

اللہ نے اپنی رسالت اور

بكلامه واعطاك الالواح فیها

اپنے کلام کے ساتھ برگزیدہ کیا اور تختیاں

تبیان كل شیء وقربك نجیا

دیں جن میں ہر چیز کا بیان ہے اور تجھ کو

فبكم وجدت الله كتب التوراة

کتنے برس پہلے اللہ نے توراۃ

[illegible] ہے۔ ان کے دلائل بیشتر وہی ہیں جو دجال کے بارے میں پیش
کئے گئے تھے۔ ان کا جواب ہم گذشتہ صفحوں میں دے چکے ہیں۔
ان کا جواب اسی مضمون سے لینا چاہیئے۔ اس کے دہرانے کی ضرورت
نہیں۔ واللہ اعلم۔

ہیں۔ خدا وند تعالیٰ نے اس کے لئے جانور کا گوشت کھانے کو ہر غرض کو آدم کی طرح
تقدیر کی دلیل سے روکا ہے۔

ہیں۔ جانوروں کو ہلاک کرنے سے حجت بنانا شرع عقل، بدیہت اور
وجدان کی رو سے باطل ہے جو لوگ تقدیر کو حجت و دلیل بناتے ہیں ان
میں سے کسی پر کوئی ظلم کرے تو وہ کبھی اس کا عذر قبول نہ کرے گا۔
اور نہ تقدیر کو حجت بنا کر اس کے بدلہ کو معاف کرے گا۔ بلکہ اسے ایذا
پہنچانے اور انتقام لینے کی پوری کوشش کرے گا۔

سب سوال یہ ہے کہ اگر تقدیر سے حجت پکڑنا صحیح نہیں تو حدیث
سے کیا معنی ہیں اور اس کی توجیہ کس طرح ہو سکتی ہے؟

جواب۔ اس بارے میں علماء کی دو رائیں ہیں جن میں سے کوئی بھی عقل
اور شرع کے مخالف نہیں ہے۔

پہلی رائے یہ ہے کہ آدم نے جو گندم کھائی تھی یہ ممانعت کی نہی تحریمی
تھی اور ان کی اولاد مستحب کی نہی تنزیہی سے تھا۔ جنت سے نکلنا یہ ممانعت اور حرمت
کے پھل کھانے پر تھا۔

ہم عصیانوں میں اللہ تعالیٰ سے معافی کے بعد دنیا میں رضا و تسلیم کا حکم دیتا
ہے اور یہی ہے اس لئے کہ دنیا میں تکلیف کا فعل ہوتی ہے نہ کہ مخلوق کا۔

اللہ تعالیٰ نے آدم کو جنت کی نعمتوں پر صبر کرنے کو دنیا کی تکلیف

علاوہ ازیں قرآن کا بیان ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام نے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اگر آدم بھی اس وقت اپنے آپ کو تقدیر کی وجہ سے معذور سمجھتے تو اپنے گناہ کا اعتراف نہ کرتے۔

کہ تقدیر کا بہانہ کرکے ممانعت کی مدافعت کرنا ممکن تھا۔ تو آدم بھی ایسا نہ کرتے لیکن ان کے درخت کا پھل کھا لینے کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۝

اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہو گیا۔ پھر اس کے رب نے اسے چنا اس کی توبہ قبول کی اور اسے ہدایت دی۔

پھر آدم و حوا معذور ہوتے تو درخت کا پھل کھانے پر انہیں جنت سے نکالا جاتا۔ بلکہ شیطان ہی ان دونوں کو پھسلانے اور دونوں کو سجدہ نہ کرنے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

توبہ نہیں کی تھی بلکہ اس مصیبت پر کی تھی جو گناہ کے بعد نمودار ہوئی۔ ح۔
سے ۔ ش میں کوئی شکال باقی نہیں رہتا۔

دوسری بات آدم اور حوا کے بارے میں یہ ہے کہ اس وقت تو تھا کہ آدم نے اپنے گناہ سے توبہ کر لی تھی اور خدا نے آپ کی توبہ قبول کر کے آپ کے گناہ کو معاف کر دیا تھا اور اس کے بعد آپ نے بعض ایسے نیک عمل کئے تھے جو قبول نے آپ کو بہشت کا حق دار بنا دیا ہے کی بدولت آپ کو خدا کا مقرب بنا سکتے تھے اور جن کے باعث خدا نے آپ کو اپنا برگزیدہ رسول قرار دیا تھا۔ لیکن یہ ملامت کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شاید کہ کوئی پائے کہ وہ دوبارہ اپنے گناہ کا ارتکاب نہ کرے لیکن اس صورت میں جبکہ آدم نے اپنے گناہ سے نہایت ہی سچی توبہ کر لی تھی اور وہ قبول ہو چکی تھی، انہیں ملامت کرنا بے کار تھا۔ فرض کر لیجئے کہ ایک بے نماز آدمی آج توبہ کر لیتا ہے اور پوری پابندی سے تمام اوقات کی نماز ادا کرنے لگتا ہے۔ اگر ہم اس وقت اس کی پہلی نمازوں کے چھوٹنے پر ملامت کریں تو ملامت کا مقام وہ نہیں بلکہ ہم مہینوں کے بعد سے ملامت کرنا سرگز صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کافر جس نے اب توبہ کر لی ہو، اس لئے کہ شتہ کفر پر ملامت کرے تو اس کا یہ فعل صحیح نہ ہوگا بلکہ سراسر غلط ہوگا۔ اسی قسم کی ملامت ہے۔ موسیٰ نے آدم کو اس کی اس ملامت کی جس سے انہوں نے توبہ کر لی تھی اور جس سے انہیں مغلوب ہو

[illegible] مصیبت کی نوعیت ہے۔

[illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible] فعل [illegible] سے [illegible]

[illegible] سے [illegible]

[illegible] مصیبت [illegible] فعل [illegible]

[illegible] فعل [illegible] سے [illegible]

[illegible] کے [illegible] ہے [illegible]

[illegible] ہے [illegible]

[illegible] ایک [illegible] ہے [illegible]

[illegible] لوگوں کو بھی [illegible] فعل [illegible]

[illegible] ہو۔ [illegible] کسی [illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible] ہیں [illegible]

[illegible] اس [illegible] کے [illegible]

[illegible] کے۔ [illegible] کیا [illegible]

[illegible] ہیں [illegible] ہوں گے

[illegible] کے [illegible]

[illegible] کے [illegible]

لطم موسیٰ ملک الموت

موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو تھپڑ مارنا

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ، فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ، فَقَالَ: أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ. قَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهِ وَقُلْ لَهُ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَلَهُ مَا غَطَّتْ يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ. قَالَ: أَيْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ، قَالَ: فَالْآنَ؛

ملک الموت (موت کا فرشتہ) موسیٰ کی طرف بھیجا گیا۔ جب وہ اس کے پاس آیا تو موسیٰ نے اسے تھپڑ مارا۔ فرشتہ اپنے آقا (خدا) کی طرف لوٹ گیا اور کہا "اے میرے پروردگار تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا کیا جو موت نہیں چاہتا"۔ فرمایا "واپس جاؤ اور اس سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی کمر پر رکھے اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے اتنے ہی برس اس کی عمر میں اضافہ کر دیا جائے گا"۔ موسیٰ نے کہا "اے پروردگار! آخر پھر کیا ہوگا؟" فرمایا "موت" جواب دیا

تھا اسے پیدا ہو گی۔ آخر ضبط کیا جا رہا؟ گویا کہ نہیں [illegible]
کے بعد موت ہو گی

چوتھے — [illegible]

تعالیٰ نے بھیجا ہوگا۔ وہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نے ان پر [illegible] قبول [illegible]

محبت سے وجود [illegible] قبول کرنے کی وجہ کیا تھی؟ کیا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خدا کی سرزمین پر خدا کی توحید کو نافذ کرنا اور ظلم و ستم کی بیخ کنی کر کے دنیا کو عدل اور انصاف سے معمور اور ہم کنار کرنا۔ حدیث میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں جس سے پتہ چلتا ہو کہ حضرت موسیٰ نے ملک الموت کو تھپڑ مارا تھا۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا ارادہ آنکھ نکالنے کا نہ ہو۔ خود حضرت موسیٰ کا قصہ قرآن نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک اسرائیلی تھا اور دوسرا قبطی۔ موسیٰؑ کو دیکھ کر:

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ	اسرائیلی نے قبطی کے خلاف ان سے مدد
شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ	کی۔ موسیٰ نے یہ مکا مار کر قبطی کا کام تمام
فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ قَالَ	تو کیا لیکن یہ دیکھ کر کہ یہ شیطان کا کام
هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ	ہے۔ بلاشبہ وہ کھلا ہوا گمراہ کن دشمن ہے
مُضِلٌّ مُبِينٌ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ	دعا کی اے پروردگار! میں نے اپنے اوپر
نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ	یہ ظلم کیا ہے مجھے معاف کر دے۔ اللہ
إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝	نے انہیں معاف کر دیا۔ واقعی وہ بخشنے
(قصص - ۲)	اور رحم کرنے والا ہے۔

اسی طرح جب فرعون نے موسیٰ کو ان کا یہ فعل یاد دلایا تو انہوں نے کہا:-

طرح سے ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سوال کرنے والا اسی وقت کہے جبکہ وہ بے علم ہو یا اسے شک ہو۔ عالم اور بے علم دونوں سوال کرتے ہیں۔ سوال کرنے والے کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بے علم ہے یا جس بارے میں سوال کر رہا ہے اسے اس میں شک ہے۔ خود قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ــــ جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے ــــ سوالات کئے ہیں:۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ	کیا انسان پر زمانہ میں سے وہ وقت آیا
مِّنَ الدَّهْرِ؛	
هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ	کیا تمہارے پاس قیامت کا حال
وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ	اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن
مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ	مریم سے پوچھے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے
اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ	لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور
دُوْنِ اللّٰهِ (المائدہ ۱۱۶)	میری ماں کو معبود بنا لو؟

اس قسم کی مثالیں قرآن پاک سے بہت مل سکتی ہیں لیکن کیا یہ سوالات اس لئے کئے گئے ہیں کہ خدا کو ان کا علم نہیں یا ان میں شک ہے؟ ہرگز نہیں۔ نعوذ باللہ اس کی مثال آپ کو عام لوگوں کی گفت و شنید میں بھی ملے گی۔ لوگ بلا کسی شک اور بے علمی کے بہت سے سوال کرتے ہیں جیسے

النیل والفرات من الجنۃ

نیل و فرات دونوں جنت سے ہیں

بخاری و مسلم وغیرہ سے حدیث دوسری جب حدیث میں نیل
اب تو میں حدیث سے بیان کی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے
بعد مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے وہاں میں نے دیکھا کہ
خاص نہر کے کنارے کے بیر تھے ان کے بتے ہاتھی کے کان جیسے
تھے اور ان کی جڑ سے چار دریا نکل رہے تھے دو ظاہر تھے
میں نے پوچھا اے جبریل یہ دریا کیسے ہیں انہوں نے جواب دیا
دو باطنی دریا تو جنت میں ہیں اور دو ظاہری دریا نیل و فرات ہیں۔ ان کے
علاوہ مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا یہ دریا جنت سے ہیں نیل و فرات سیحان و جیحان۔

حدیث کی مختلف روایتیں یہ ہے کہ اس بارے میں جو حدیثیں موجود ہیں ایک
ان سے پوری طرح واقف ہیں۔ انہیں سب معلوم ہے کہ یہ کہاں سے نکلتے
ہیں کہاں بہتے ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے
ان کے منبعوں اور ڈھیلوں کو دیکھا ہے۔ ان دونوں حدیثوں نے ہمیں

[illegible] موت کو ترجیح دیتے ہیں یہ زندگی کو۔ لیکن جب موسیٰ نے [illegible]
[illegible] کر خضر کا [illegible] جس سے اس نے خیال کیا کہ وہ زندگی کو پسند کرتے ہیں
[illegible] نہیں بھیجوا دیا۔

ترجمہ:۔ پانچویں شکل کا جواب دیتا ہے جو ہمارے سامنے شکل ۱ کے
پیچھے ہے۔ یہ فرشتہ موت کی شخصیت معلوم ہوتی تھی۔ اس نے انہیں
اس کے پیغمبر کے پاس بھیجا۔ جب آدم کو یہ پیغام پہنچا تو اس نے موت
سے بھاگتے ہوئے لیکن جب انہیں معلوم ہوگیا کہ وہ ملک الموت ہی ہے تو
انہوں نے اس سے زندگی کی خواہش کی اور اس کے قرب کو ترجیح دی۔ جیسا کہ
باقی تمام انبیاء نے لقاء اللہ کے جذبہ کو ترجیح دی۔ جس چیز میں
کوئی شک نہیں ہے کہ انسان جیسے زندگی کو پسند کرے اور بعید میں اس کی خواہش
موت کی طرف ہو جائے؟ اس میں کوئی محال اور بعید شے نہیں ہے۔
لہٰذا ضعیف حدیث کا اس طرح کے کمزور اشکالات سے رد کر دینا جائز نہیں
ہے جو ہر چیز پر کئے جا سکتے ہیں اور جن سے دنیا بھر کا کوئی کلام بچ نہیں سکتا
خواہ رفعت و بلندی، صحت و ثقاہت اور حسن و جمال کے لحاظ سے وہ کتنا
ہی بڑھا ہوا کیوں نہ ہو۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چوتھے گروہ نے کہا [illegible] ہے کہ جو لوگ [illegible]
ہیں وہ اہل جنت ہیں سے ہیں یعنی جن ملکوں سے یہ دنیا میں تھے مستقر
ان کے باشندے ایمان لا کر اہل جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

پانچویں گروہ نے کہا: دراصل کلام میں تمثیل بیان کی گئی ہے
سدرۃ المنتہیٰ سے مراد ساری کائنات کی تدبیر کا مرکز ہے گویا کائنات کی
ہر چیز کی تدبیر وہیں ہوتی ہے اور قضا و قدر کا جو فیصلہ ہوتا ہے وہیں ہوتا
اس لحاظ سے نیل و فرات کی تدبیر تو سدرۃ المنتہیٰ پر ہوتی ہے اور وہ [illegible]

پر زیادہ سے زیادہ انکشافات مرد ار ہوتے رہیں گے محض ہوا خیز درست حق اور حقیقت کی میزان نہیں ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن میں بہت سے متشابہات ہیں اس طرح حدیث میں بھی بہت سے متشابہات ہیں لیکن مومنین جب کسی ایسی چیز کو سنتے ہیں جو ان کی سمجھ سے دور ہوتی ہے تو ان کی زبان سے صرف یہ الفاظ نکلتے ہیں اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (ہم اس پر ایمان لے آئے۔ یہ سب ہمارے پروردگار ہی کی جانب سے ہے) اس شخص سے بڑھ کر گمراہ و نادان کون ہو سکتا ہے جو ہر اس بات کو رد کر دے اور جھٹلا دے جو اس کی سمجھ میں نہ آئے۔

یہ تمام اقوال جیسا کہ آپ ابھی دیکھیں گے نہایت ضعیف ہیں۔ ان سے کوئی انسان مومن ہو یا کافر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس کے بارے میں صحیح رائے یہ ہے:

حدیث کا صحیح مطلب پہلی حدیث میں واقعی تمثیل (کسی چیز کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنے کے بجائے اس کی تصویر پیش کر دینا ہے) چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ میں نیل و فرات کی تصویر پیش کی گئی جیسا کہ نماز پڑھتے وقت آپ کے سامنے جنت و دوزخ لائی گئی یہاں تک کہ دوزخ کو دیکھ کر آپ پیچھے ہٹ گئے اور جنت کو دیکھ کر اس کے پھل توڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ آپ نے لوگوں کو جہنم میں مرنے

[illegible]

خود آدم علیہ السلام پہلے جنت میں تھے لیکن [illegible]
نہیں کہ ان کی طرف بھیجے گئے اور جب وہ جنت میں تھے تو [illegible]
بعد میں وہاں سے نکالے گئے یا نہیں کی ہے یہ دنیا میں پہلے جنت
میں تھے لیکن بعد میں نہیں نہیں یہ دخول [illegible] قابل غور ہے کہ
روایت [illegible] کی [illegible] جنت میں ہیں [illegible]
[illegible] جنت سے ہیں۔ ان دونوں عبارتوں کے [illegible]
[illegible] وہ قول [illegible] پہلی عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ
[illegible] جنت ہی جنت میں [illegible] اور دوسری عبارت کا مطلب صاف ہوتا ہے
پہلی عبارت کے خلاف ہے۔

علاوہ ازیں دوسری روایت کے متعلق ایک اشکال یہ بھی ہے کہ یہ
دریا جنت میں ہوں گے اور اہل جنت ان کو پانی نہیں دیں گے۔ تو تعالیٰ ان
کی مقدس عمر کی اور صفائی کو زیادہ کر کے جنت میں داخل کرے گا جیسا کہ [illegible]
معاملہ مومنین کے ساتھ بھی ہوگا۔

یہ ہیں وہ مطالب جن پر دونوں روایات کو محمول کیا جا سکتا ہے۔

یا اس جیسی مثل شریعت حضرت سب کے مطابق ہے اور ان میں سے کسی کے بھی مخالف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہ حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے اس کے سوا کوئی دوسرا معنی بیان ہی نہیں کیا۔ اس عظیم الشان رات میں بیت المقدس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کی تصویریں پیش کیے جانے پر خدا کا ایک بڑا احسان و انعام ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے آپ کی امت کی خبر دی گئی کہ عنقریب آپ کی امت پر یہ دونوں دروازے فتح ہوں گے اور آپ کی شریعت ان پر نافذ ہوگی۔ چنانچہ آپ کی شریعت کا دائرہ ان سے پہلے تمام انبیاء کی شریعتوں سے بڑھ گیا۔ اس طرح معراج کی رات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں مقصد دونوں طرح کی بشارت دی گئی۔ یہ پہلی روایت کا مطلب ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ نیل، فرات، سیحان اور جیحان جنت سے ہیں۔ اس کا مناسب مطلب یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ان چاروں دریاؤں کو جنت سے زمین کی طرف اتارا تھا تاکہ لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اس کی شہادت قرآن کی یہ دو آیتیں بھی دیتی ہیں:

۱۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً	"اور ہم نے آسمان سے ایک ناپ مقدار کے
بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا	مطابق پانی اتارا پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور
عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝	بیشک ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں۔

(المؤمنون ۲۳: ۱۸)

اَلْحَرُّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

(گرمی جہنم کی بھاپ سے ہے)

صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ	جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز ٹھنڈے وقت پڑھا کرو (یعنی ظہر کی نماز) ٹھنڈا ہو جائے اس لئے کہ سخت گرمی جہنم کے دھوئیں سے ہے۔

اور فرمایا:

اِشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٌ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٌ فِي الصَّيْفِ فَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ	آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا بعض حصہ بعض کو کھا رہا ہے اس نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت دی ایک سانس سردی میں اور ایک گرمی میں اسی سے تم کو سخت گرمی یا سخت سردی محسوس ہوتی ہے۔

[illegible]

[illegible]

اس کے [illegible] ہے [illegible] کی [illegible]
[illegible] کے [illegible] اور [illegible] کیا [illegible] نہیں کے
[illegible] ہاتھ سے [illegible]
کے [illegible] حدیث [illegible] معا [illegible]
[illegible] غلط ہے

[illegible] اس [illegible] حدیث [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] حدیث [illegible]
[illegible]

حدیث کا صحیح مطلب حدیث [illegible] اور [illegible] مطلب ہے
کہ [illegible] سے [illegible] جہنم سے [illegible]
[illegible] سے [illegible] علیحدہ [illegible]
[illegible] سے آگ سے [illegible] الفاظ [illegible] جہنم سے آگ سے بچائے

الحمی صن ہب ج جہنم

بنا دونوں خ کی ہیاپ ہے

[illegible]

[illegible]

جو ہم گذشتہ باب میں حدیث کی پہلی تاویل کے متعلق بیان کر چکے ہیں
صحیح رائے یہ ہے کہ وہ حقیقت کنارے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔
ہم میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ کسی امر مکروہ کو کسی شخص کا مقصود
پہنچتا ہے لہٰذا یہ حرارت جو اس طرح پیدا ہوتی ہے اس کا نام جہنم رکھ دیا
یعنی اللہ تعالیٰ نے جہنم نے آگ کا ایک نمونہ ہمارے لئے بیان کر دیا ہے
تاکہ ہم اس سے عبرت حاصل کریں۔ اسی کا اشارہ ہوتا ہے کہ جب کسی انسان میں آگ سے
متاثر ہونے کے تمام اسباب مکمل ہو جاتے ہیں تو جہنم کی یہ آگ اس میں حرارت
اور سوزش پیدا کر دیتی ہے۔ اگرچہ قریبی اسباب وہی ہیں جن کا تذکرہ ابھی
کرتے ہیں لیکن جس پہلو سے حدیث میں بحث کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ
ان اسباب کا چشمہ اور مبدأ جہنم ہے۔ اب یہ مبدأ جہنم کی آگ سے
بھی ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے بھی لیکن جب
صحیح حدیث اس کے جہنم سے ہونے کی گواہی دیتی ہے تو اس کا قائل
ہونا ضروری ہے۔

اب رہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "لہٰذا اسے پانی سے
ٹھنڈا کرو" سو یہ قول موجودہ طب کے موافق ہے۔ آج کل کے ڈاکٹر بخار
والے مریض پر برف کی سلیں رکھتے ہیں۔ البتہ یہ علاج ہر شخص کا کام نہیں
ہے۔ یہ علاج صرف اسی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ کوئی ماہر ڈاکٹر

اَلْكَافِرُ يَاْكُلُ فِي سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ

کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے

بخاری و مسلم میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلْمُؤْمِنُ يَاْكُلُ فِي مِعًى [illegible]

وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَاْكُلُ فِي سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ [illegible]

مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] آپ کے حکم کے مطابق بکری کا دودھ دوہ کر [illegible] کو دے دیا اور وہ پی گیا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا کہاں تک کہ [illegible] بکریوں کا دودھ پی گیا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور ایک بکری کا دودھ دوہ کر اسے دیا گیا۔ وہ پی گیا۔ پھر دوسری کا دیا لیکن وہ نہ پی سکا۔ اس پر آنحضورؐ نے فرمایا "مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔"

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن تو قلیل مقدار میں [illegible] اپنے ایمان کی وجہ سے بابرکت ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ نے [illegible] احسان جتلانے

[illegible] دیتا ہے واقف ہو یا تو وحی سے ممکن ہے تعلیم
تعلیم نبی اللہ علیہ [illegible] نے حاصل نہیں کی اس سے معلوم ہوا
آپ کی تعلیم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے۔

قبول نہ کرے گا۔ چاہے وہ ستر سال اس کے قریب جانے کی کوشش کرتا رہے۔ اسی طرح آپ سات کا ہندسہ بھی بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ	اور حقیقت یہ ہے کہ زمین کے تمام
شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ	قلم بن جائیں اور سمندر کو موجودہ سمندر سے
مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ	سات گنا زیادہ کر دیا جائے تو اللہ کے
كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان ۳۰)	کلمات ختم نہیں ہوں گے۔
اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ	"اگر تم ستر مرتبہ بھی ان منافقین کے لئے
مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (توبہ ۸۰)	بخشش کی دعا کرو تو بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا منشا عدد سات اور ستر کی تحدید نہیں ہے بلکہ محض کثرت مراد ہے۔

اسی طرح حدیث میں کھانے سے مراد وہ کھانا نہیں ہے جو پیٹ میں ڈالا جاتا ہے بلکہ اس کے معنی اس سے کہیں وسیع اور عام ہیں یعنی کسی سے پیسے، مال جمع کرنے سے غلط اندوز ہونا وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا:

"اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا	"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں
یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ	کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے
یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (بقرہ ۲۷۵)	جسے شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔
وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ	اور اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل طریقہ

ہے کہ جس شخص کو اس حدیث میں ذکر ہے کفر کی حالت میں اس نے سات بکریوں
کا دودھ پی لیا تو مراد یہ ہے کہ ایک کے زیادہ کا دودھ نہ پی سکا۔ اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذلیل مخلوق سے سات گنا کھاتا ہے۔ نیز کھانے کے معاملہ
میں اور سب سے مراد سات ہی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کھانا ایک جنس ہے جس میں سب
سے ادنیٰ تا اعلیٰ اس کھانا داخل ہے کے ذریعہ پیٹ میں کوئی چیز نہ پہنچتا رہتا
ہو۔ ہر جمع کہ جس سے بھی منتفع ہو جائے سب اس میں آجاتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے
کہ بات میں اب اس کے بعد کھانے کی اب تمام مشہور کھانا ہی ہے جیسا کہ
حدیث میں آدمی نے بنے کفر اسلام کی حالت میں دودھ پیا تھا۔ باقی رہی دوسری
قسم جس میں کھانے کا اطلاق ہوتا ہے تو ان کے لئے صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
لفظ دل میں اور دوسرے لفظ دوسروں میں کھاتا ہے۔

یہ حدیث واجب خاص ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے معنی
جو خاص ہو جائیں بلکہ عموم اپنی اصلی حالت پر برقرار ہے خواہ سبب واحد ہی ہو یا
متعدد کی روایات میں ہو جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کافر کے
کھانے کو دیکھا تو مومن کے کھانے کو دیکھا تو مومن کے کھانے کا صرف ایک وصف بیان کیا۔
یعنی "نہایت ہی حرص طمع اور شدت سے" اور اس کی علت کا مورد اس کی علت
کا یہ قول ہے "لعنو" یہ الفاظ "مؤمن" "لبب" (مطلب لفظ کے عموم سے

احادیث تاثیر العین

نظر کا اثر ثابت کرنے والی احادیث

کے شبہ نیوں سے کبھی ہوئے تو ان کے پاس کوئی اطمینان بخش جواب نہ ہوگا
سے انکار کرنے والو! تم کس چیز کا انکار کرتے ہو کیا یہ ایک واضح چیز
ہے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ روح کے نکلتے ہی ایک آدمی مردہ ہو جاتا ہے حالانکہ
جب تک وہ اس میں موجود رہتی ہے وہ زندہ ہوتا ہے؟ کیا تم نے کبھی روح کو
دیکھا اور محسوس کیا ہے؟ کیا تم نے کبھی کسی انسان کو سکتے کے حالت میں نہیں دیکھا
یا اس وقت جبکہ اسے نیند کی موت یعنی غیر محسوس چیز آتی ہے۔ جسے عام لوگ
کہتے ہیں اور جس کے دور ہونے کے بعد انسان جاگ اٹھتا ہے؟ کیا تم نے
کبھی اس کی صورت دیکھی یا محسوس کی ہے؟ کیا ایک جادو کی چیز قریب سے
اور دور سے انسان کو ایذا نہیں پہنچاتا؟ کیا غم و اندوہ جسم کو دبلا نہیں بنا دیتا۔ اور
فرحت و انبساط سے جسم میں تازگی، رونق اور تروتازگی نہیں آجاتی۔ حالانکہ
رنج و خوشی وہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جنہیں تم دیکھتے ہو اور محسوس کرتے ہو پھر
موت کی یاد انسان سے اس طرح نہیں کھیلتی جس طرح کہ چور اچکے اور
نیزے سے کھیلتی ہیں۔ حالانکہ کسی کی یاد بالکل ہی ان دیکھی اور غیر محسوس
کیا عقل سے انسان بہرا پست نہیں ہو جاتا۔ حالانکہ عقل نہ دکھائی دیتی ہے
اور نہ محسوس ہوتی ہے؟ اے اللہ کے بندو! بتاؤ تو سہی کہ اس سب باوجود تم
کس چیز کا انکار کرتے ہو؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ سانپوں کی ایک قسم ایسی ہے
جس کی طرف دیکھنے سے آنکھیں جاتی رہتی ہیں اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جاتے

مَا یُرْوٰی عَنْ اِبْرَاهِیْمَ مِنَ الْکَذِبِ

حضرت ابراہیمؑ سے قبول کذبات

کیا یہ وہی فعل نہیں ہے جو جسمانی صورت میں پیش آتا ہے اور جس کا ہم
تجربہ اکثر کرتے ہیں؟ اب اس پیچیدہ مسئلہ نے اس طرح پیدا
کرنے سے کسی طرح کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے

مسمریزم اور جسمانی شدت دونوں میں ایک ہی چیز کام کرتی ہے
اور اس کا عمل دونوں میں ایک کو مانتا اور دوسرے کا نہ ماننا
کہاں تک عقل مندی ہے؟ تمام لوگوں کو نظر کا اثر اجنبیر کسی خاص
سے ان کو کوئی بھی روحانی تعلق رکھتے ہوئے کرنا روحانی اثر کا ماننا
اشیاء میں وجود تسلیم کریں۔ کیونکہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس جہان میں
دنیا ایک زبردست مدبر ہستی سے جو کامل ہوں ہے وہ عقل اور منطق سے
یہ نظام خوش اسلوبی سے چلا رہی ہے اگر اللہ تعالیٰ اس روحانی تعلق کے بغیر
کارخانہ کائنات چلا سکتا ہے تو پھر ارواح کی تاثیر سے نورانی بنیاد پر
اب تو صرف دو ہی رستے رہ جاتے ہیں یا تو بالاتر غائب ہستی کا انکار کر دیجئے
یا نظر کے متعلق اپنے قول سے باز آ جائے۔

چنانچہ جب وہ ان کے پاس پہنچیں تو صاحب نے بہ کرتے ہوئے
ان کو گرفت سے پکڑ لیا۔ کہنے لگا۔ خدا سے دعا کرو کہ میں تمہیں کوئی
کا نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ سارہ نے دعا کی اور اس کی گرفت ختم ہو گئی۔ جس وہ
دوبارہ پھر پکڑنے کے لیے بڑھا۔ خدا کی گرفت نے دوبارہ جکڑ لیا۔ کہنے لگا۔
اب دعا کرو۔ اب کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ سارہ نے دعا کی اور اس کی گرفت
گئی۔ اب اس نے اپنے کسی درباری کو بلایا اور کہا کہ میرے پاس انسان نے
نہیں لائے۔ بلکہ جن لے کر آئے ہو۔ اس لیے تم نے ہاجرہ کو بھی
خادمہ کے سارہ کے حوالے کیا۔ وہ واپس لے کر آئے۔ سارہ نے نماز
نماز پڑھنے لگی۔ ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سارہ نے کہا
نے ملک کو اسی کے منہ پر تمسے مارا اور ہاجرہ کو بھی خادمہ بنا
روایت بخاری کی ہے مسلم نے اسی روایت کو اس سے کچھ مختلف
و سیاق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس میں کسی
قسم کا نقص نہیں بلکہ قرآن کے عین موافق ہے اور ابراہیم کی بابت
جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ قرآن کریم کی تصدیق ہے۔

حدیث پر مخالفین کے اعتراضات | بعض لوگوں نے حدیث کا انکار
کیا ہے اور نہایت ہی کمزور اسباب بیان کئے ہیں کہتے ہیں۔

۱۔ یہ حدیث سورہ مریم کی اس آیت کے خلاف ہے

ہو تو ضروری ہوتا ہے کہ جھوٹ بولنے والے کا مقصد اس کے
سننے والے کو دھوکا دینا ہو۔ بلکہ بعض دفعہ بغیر اس مقصد کے بھی جھوٹ بولا جاتا ہے۔ مثلاً
کوئی شخص کسی کو خوش کرنے کے لئے کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کو وہ
خود بھی جھوٹ سمجھتا ہے۔ اور نہ وہ اس سے دوسرے کو دھوکا دینا چاہتا ہے۔ اور نہ وہ اس کی دل شکنی
کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ وہ صرف اس کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ بات بھی جھوٹ
ہے۔ اور اس میں کوئی واسطہ نہیں۔ ایسی صورت میں بھی
وہ واقعہ کی مرضی کے مطابق ہو سکتی ان معنوں کے خلاف ہو جو وہ سمجھنا چاہتا
ہے۔ اور وہ سچ کہنے سے پہلو سے جھوٹ ہو گا۔ اور اس کے جھوٹ ہونے کی
وجہ یہ ہے کہ جھوٹ بولنے والا دوسرے کو دھوکا دینا چاہتا ہے۔ اسی وجہ کو ہم
یہ کہتے ہیں کہ جھوٹ بولنے والا کوئی ایسی بات کہتا ہے جس کو وہ خود
جانتا ہے کہ وہ غلط ہے۔ اگر کوئی شخص آپ سے کوئی ایسی بات
بیان کرے جو آپ کے ساتھ ہوئی ہے کہ کون سنے اور آپ اس سے جو بات
سنیں اس کو آپ یہ جانتے ہوں کہ اس نے یہ بات جھوٹ کہی ہے اور آپ کا یہ
خیال ہو کہ اس نے جھوٹ کہی ہے۔ حالانکہ فی الواقع سچ کہی ہے۔ آپ کا
یہ خیال غلط ہو اور آپ کی دل شکنی کرنا اس سے مقصود نہ ہو۔ تو
یہ آپ کا جھوٹ کہلائے گا۔

اگر آپ پر کسی شخص کا قرض ہو اور وہ آپ سے اس کا تقاضا
کرے اور آپ اس کے جواب میں قسم کھا کر کہہ دیں کہ تمہارا مجھ پر کوئی

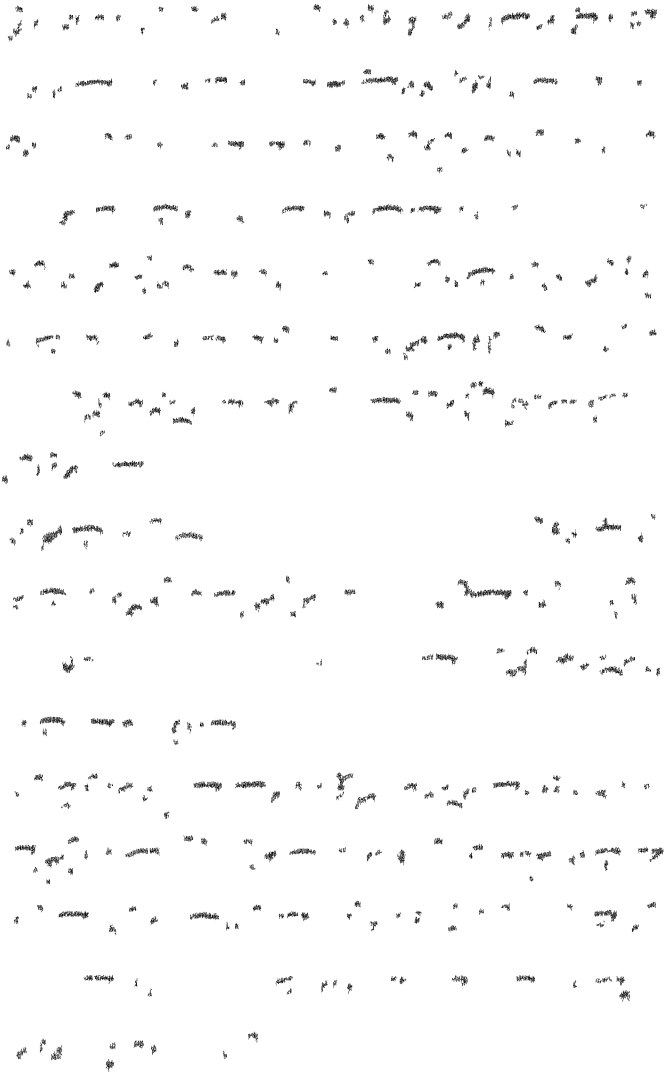

حديث الحريق في نفسه وغفرانه

حدیث کی روایت سے بچنے کی حدیث کو دونوں

حدیث میں اشکال جو ان حدیث کی

یا ان کی تحقیق

یہ بحث ان تک تحقیق

نسب نامہ

علماء کے روایات

ترجمہ و تفسیر

وَكَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا

تحقیق

سیرت النبی

ایک دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ

[illegible]

... اس کی مثال قرآن کی ایک آیت سے یوں ملتی [illegible]

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى	جبکہ حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن
ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ	[illegible]
أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ	[illegible]

[illegible]

تعذیب میت بنوحہ الحی علیہ

الحمد للہ اب ہم اس قابل ہو گئے کہ خدا کے فضل و رحمت
سے اس قدر شدائد و مصائب میں خدا پر بھروسہ کر سکیں
اور ہر حالت میں خدا سے خوف کھائیں اور اس کے سوا
کسی سے نہ ڈریں

[illegible] جو کوئی [illegible] ہو، پورا قرآن اس پر شاہد ہے۔
[illegible] مشکل ہے [illegible] بلکہ بہت زیادہ مشکل ہے۔
[illegible] سے کہ [illegible] سے قطعی اور واضح امور کی مخالفت
[illegible] ہے۔ [illegible] حدیث کا مطلب بیان کرنے میں علماء کے
[illegible] اقوال مختلف ہیں اور ان میں بعض نے بڑی ٹھوکر
[illegible]

[illegible] ام المومنین حضرت عائشہ بھی شامل ہیں
[illegible] کا انکار کیا ہے۔ ہاں صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ نے
[illegible] یہ کہا ہے کہ [illegible] کافی ہے کیونکہ وہ کہتا ہے لَا تَزِرُ
[illegible] وِزْرَ اُخْرٰی۔ یعنی کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک
اپنے ہی اعمال کا جواب دہ ہوگا۔

حدیث کے بارے میں مختلف علماء کے جوابات

۱ ——— [illegible] اس شخص کے متعلق ہے جو اپنے
گھر والوں کو اپنے اوپر رونے کی وصیت کر جائے۔ اسے صرف کی صورت
میں عذاب ہوگا۔ نہ کہ یہ اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ مرنے والے
اپنے گھر والوں کو اپنے اوپر ماتم کرنے کی وصیت کیا کرتے تھے۔

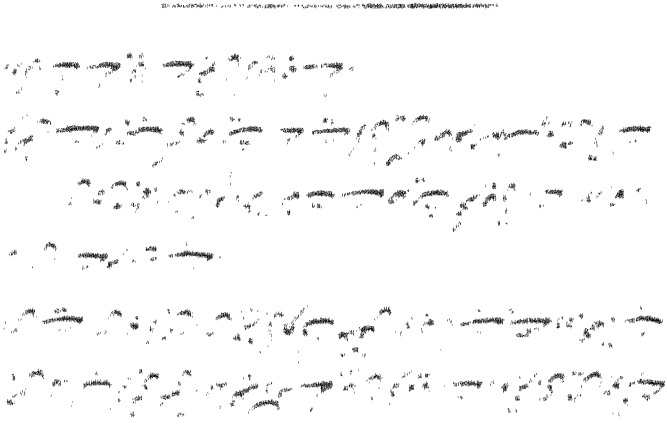

کثرت سے ہوتا ہے۔ اس صورت میں حدیث انّ المیّت لیعذّب
ببکاء اھلہ علیہ کا مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں کی موت قریب ہو جب
ان پر ان کے گھر والے روتے ہیں تو انہیں دکھ ہوتا ہے۔ اور ان کی تکلیف
میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ
لوگ اپنے مردوں پر رحمت و شفقت کریں۔ اور انہیں رنج و غم اور دکھ و تکلیف
نہ پہنچائیں۔ اب اگر سوال کیا جائے کہ تمہاری یہ تفسیر کیونکر ہے۔ اگر اس
روایت سے اس کی تردید نہ ہوتی۔ اس لیے کہ ایک روایت میں ہے
انّ المیّت لیعذّب فی قبرہ بما نیح علیہ (مردہ کو قبر میں
اپنے اوپر زندہ لوگوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔۔۔)

اس کے جواب میں ہمیں کہنا ہوگا کہ اغلب خیال یہی ہے کہ روایت
میں فی قبرہ (قبر میں) کا لفظ صحیح طریقے سے نہیں آیا ہے اور محض راویوں
کے سہو و بھول کا نتیجہ ہے اور اکثر ایسی چیزوں میں سہو ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ ہم امام بخاریؒ کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے پوری حدیث کو روایت کیا
ہے۔ لیکن یہ لفظ کسی جگہ روایت نہیں کیا۔ صرف امام مسلمؒ نے اپنی کسی روایت
میں نقل کیا ہے اور مسلمؒ توابع و شواہد میں بسا اوقات بے اعتنائی برت
جاتے ہیں۔ ہمارا اطمینان اس سے اور زیادہ ہو جاتا ہے کہ اس قسم کی چیزوں
میں سہو اکثر ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یوں ہے کہ راوی کا خیال ہے کہ

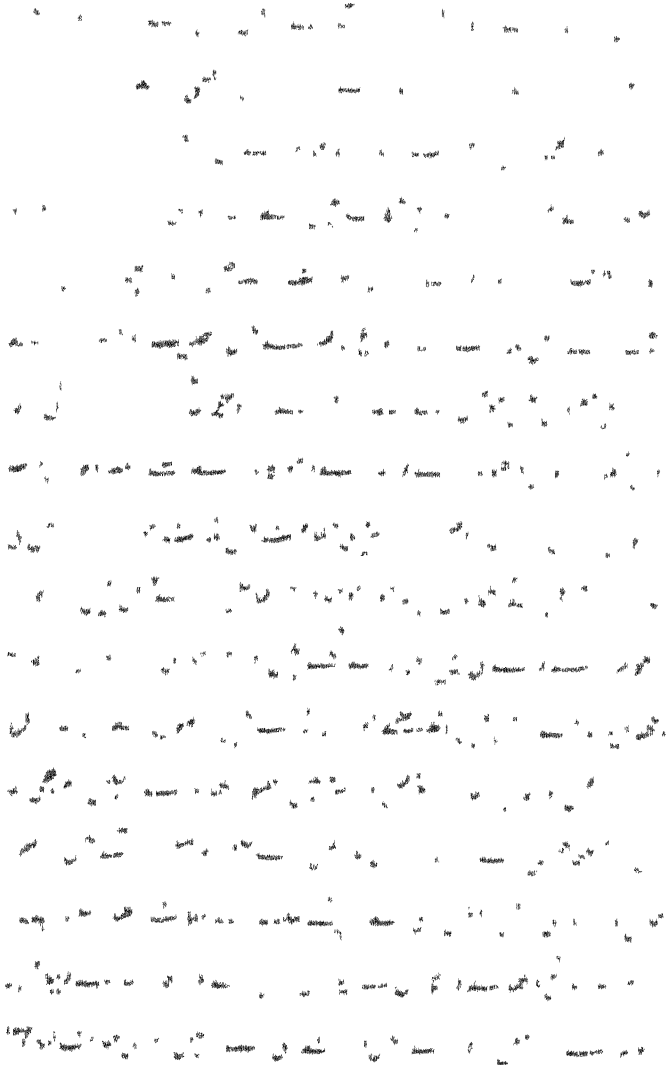

لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین

(مومن ایک بل سے دو بار نہیں ڈسا جاتا)

[illegible] نے [illegible] سے [illegible] آنے
والے [illegible] مومن [illegible] مومن ایک بل سے دو بار
نہیں ڈسا جاتا۔

[illegible] اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں
[illegible] سے مراد حقیقی لفظی معنی یعنی واقعی ہے کہ مومن کو سانپ بار بار کاٹے
بلکہ [illegible] سے ڈسے ہوئے کو دوبارہ اسی بل میں سے وہ موذی کاٹتا نہیں
جاتا۔ یہ حدیث کا یہ مطلب نہیں۔ بلکہ [illegible] کہتے ہیں کہ مومن ایک
بل سے [illegible] دوسرے [illegible] مومن اور غیر مومن میں فرق ہی رہا ہے اور
اس سے [illegible] کی الفاظ میں یعنی یہ ایک ضرب المثل ہے [illegible] کا مطلب
یہ ہے کہ مومن کبھی دو بار دھوکہ نہیں کھاتا۔ اگر ایک [illegible] دھوکہ دیتا ہے
تو دوسرا [illegible] اس [illegible] نہیں آتا۔ اسی طرح یہ حدیث بھی
مومن کی [illegible] سے زیادہ [illegible] خبردار ہونے کی طرف [illegible]
نے مشرق کے مسلمانوں سے کہتا ہے [illegible] ایک دھوکہ سے سنبھلتے نہیں [illegible]

تحريم الجنة على العاص

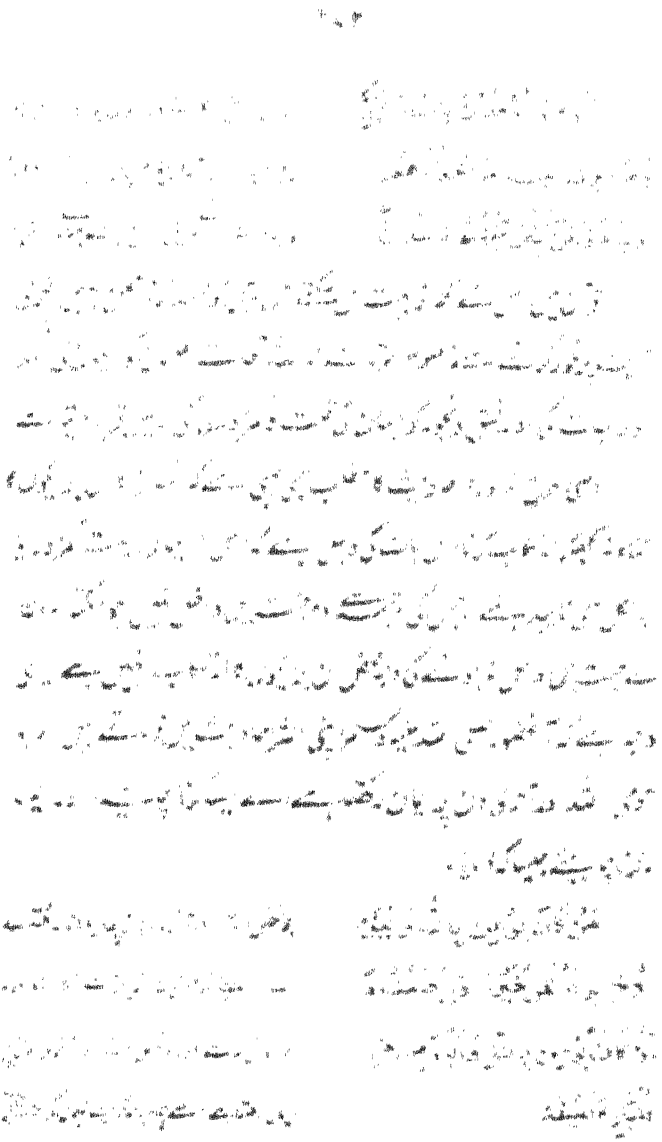

اور اس کی ہر شکل و صورت کا اور ہر چیز و منظر کا حساب رکھتا ہے کوئی چیز
اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتی وہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اس لئے کہ انسان کی
فطرت میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ ظلم سے بچتا ہے تو وہ متقی بن جاتا ہے
اور اس کی طرف بڑھتا ہے تو وہ فاجر بن جاتا ہے پھر فجور و تقویٰ کی طرف
نفس کی رہنمائی کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ
کرتا ہے ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرے اسی معنی میں قرآن کہتا ہے۔

[illegible] اور ہر نفس کو اس نے درست بنایا
[illegible] پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی
[illegible] یقیناً وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا
[illegible] اور یقیناً وہ شخص ناکام ہوا جس نے اپنے نفس کو دبا دیا
[illegible] ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا
[illegible] جب کہ ان کا بدبخت ترین شخص اٹھا
[illegible] تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے
[illegible] پس انہوں نے اس کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں
[illegible] تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر ہلاکت نازل کی
[illegible] اور اس کو برابر کر دیا
[illegible] اور اللہ کو اس کے انجام کا کوئی خوف نہیں

دوسرے متقی لوگ ہیں۔

یقیناً اس کا ایمان کمزور بلکہ ناپید ہے اس لئے کہ حقیقی معنوں میں مومن وہ ہے جو اللہ کی ذات اور قیامت کے روز اس کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے۔ اور اگر اس سے کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو فوراً ہی اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے روبرو توبہ کا ہاتھ بڑھا دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ	اللہ پر صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے
يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ	جو نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں۔ اور
مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ	پھر فوراً ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں
عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَ	جن کی اللہ توبہ قبول کرے گا۔ اور اللہ علم
لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ	و حکمت والا ہے۔ اور ان لوگوں کی توبہ قبول
حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ	کرنا اللہ پر نہیں ہے جو ساری عمر برائیاں
تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ	کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے
هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ	کسی کو موت آن پہنچتی ہے تو کہتا ہے کہ میں توبہ کرتا
عَذَابًا اَلِيْمًا (نساء ۳)	ہوں اور نہ ہی ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو

کفر کی حالت میں مرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لئے ہم نے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ	اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت
وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ	کی طرف سبقت کرو جس کا عرض زمین و

(حجرات - ۲) اور ہماری اللہ کی راہ میں جہاد دیا یہی لوگ راست باز ہیں

اس سے ان احادیث کی تفسیر ہو جاتی ہے جنہیں بہت سے علماء نے پیچیدہ خیال کیا ہے اور جن کو دین کے اصول سے تطبیق دینے میں انہیں دقت اور حیرانی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی نظیر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔

لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔

ایسا نہیں ہوتا کہ زانی زنا بھی کرے اور زنا کرتے وقت مومن بھی رہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ چور چوری بھی کرے اور چوری کرتے وقت مومن بھی رہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ شرابی شراب بھی پئے اور پیتے وقت مومن بھی رہے۔

نیز آنحضور نے فرمایا "من رغب عن ابیہ فقد کفر" (جس شخص نے اپنے باپ سے نفرت کی اس نے کفر کیا) "اِثْنَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ کُفْرٌ اَلطَّعْنُ فِی الْاَنْسَابِ وَالنِّیَاحَةُ عَلَی الْمَیِّتِ" (لوگوں میں دو چیزیں کفر ہیں۔ ایک نسب میں طعن اور دوسرے میت پر ماتم) "مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ کَفَرَ" (جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا) وغیر ذلک من الاحادیث۔

جو شخص نماز اور دوسرے ارکان اسلام کے ترک، زنا، مے خوری، چوری، چغلی اور قطیعۃ رحم (رشتہ کاٹنے) کا عادی ہو اور کبھی توبہ نہ کرتا ہو

آپ کی محبت دو دشمنی کا بھی دم بھرتا ہے اور دوسری طرف برابر آپ کی مخالفت کرتا رہتا ہے کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کے احکام غلط قرار دے۔ آپ کی ناپسندیدہ چیزوں کا ارتکاب کرے اور پسندیدہ چیزوں سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ کیا آپ اس کے دعوے پر اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ کہ واقعی تم میرے دوست اور بہی خواہ ہو؟ اور کیسے ایسا ہو سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ بلکہ ان معانی کو آپ اپنے آپ پر بھی آزما سکتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ آپ کسی بزرگ کی خدمت میں پوری طرح اپنے آپ کو فنا کر رہے ہیں۔ اور ہر ممکن ذریعہ سے اس کی رضا جوئی کے لئے کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو اسے اپنے اوپر خفا اور مخالف نہ ہونے دیں۔ ایسی صورت میں اگر آپ سے کوئی ایسی چیز سرزد ہو جائے جو اس بزرگ کو آپ پر خفا کر دے یا آپ کی طرف سے اس کے دل میں کوئی ٹیس پہنچا دے تو آپ برابر تڑپتے رہیں گے اور اس سے معافی مانگیں گے۔ اور عذر خواہی کا ہاتھ بڑھانے کے لئے بے قرار رہیں گے۔ لہٰذا جو شخص اللہ سے محبت کرنے کا مدعی اور اس کی رضا کا حریص ہو اس کے لئے قصے زیب نہیں دیتا کہ اس کی مخالفت پر اصرار کرے یہ معنے نہایت ظاہر ہیں۔ احادیث کا ان پر محمول کرنا شرع، لغت اور عقل کی رو سے نہایت اجنبی اور غریب ہے۔

لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ	آسمان ہیں۔ اور جو ان متقیوں کے لئے تیار
وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ	کی گئی ہے جو خوش حالی اور سختی دونوں
عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ	حالتوں میں خرچ کرتے ہیں۔ اور ان کی حالت
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا	یہ ہے کہ وہ غصہ کو پی جاتے ہیں۔ اور جب
اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا	ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے یا وہ
لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا	اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کر
اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ	کے اس کے حضور اپنے گناہوں کی معافی
هُمْ يَعْلَمُوْنَ (آل عمران ۱۴)	چاہتے ہیں۔ اور واقعی گناہ بخشتا بھی اللہ ہی
	ہے اور وہ اپنے کردار پر اصرار نہیں کرتے اور جان لیتے ہیں

معلوم ہوا کہ جنت محض انہی مومنین کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو معصیت پر اصرار نہیں کرتے اگر کبھی بھولے سے ان سے گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اللہ کے حضور توبہ کا ہاتھ بڑھا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے ایمان کا تقاضا ہی توبہ ہے۔ اس کے برعکس جو شخص رسول اللہ کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوتا ہے تو وہ درحقیقت مومن نہیں۔ خواہ اپنی زبان سے ایمان کا ہزاروں مرتبہ دعوے کرے ایسا شخص واقعی جنت کا حق دار نہیں ہے۔

ان معنی کا آپ ایک ایسے شخص پر تصور کر سکتے ہیں۔ جو بیک وقت

یہ دونوں کے حق میں فرمایا۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ — کہ واقعی سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ اور

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا (البقرہ - ۱۱) — وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے۔

حالانکہ نسبت موسےٰ آخرت میں اللہ تعالےٰ کو دیکھیں گے۔ اور یہود جب آگ کے طبقات میں ہوں گے۔ تو اس دردناک اور دائمی عذاب سے نجات پانے کے لیئے تو موت کی رہ رہ کر تمنا کریں گے۔ لہذا آیت میں نفی جملہ حالات میں سے ایک حالت کی اور جملہ زمانوں میں سے ایک زمانہ کی گئی ہے۔ فرمایا

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ — تو اس دن نہ کسی جن سے اپنے گناہ کی بابت

اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ (الرحمن) — سوال ہوگا اور نہ ہی انسان سے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ — بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں

اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا — کو تھوڑی قیمت کے بدلے فروخت کر دیتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا — ان کے لیئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور

يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ — نہ اللہ ان سے کلام کرے گا۔ اور نہ انہیں دیکھے گا۔

الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران ۸) — بلکہ ان کے لیئے بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

بلاشبہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے کبھی کلام نہ کیا جائے گا اور کبیرہ گناہوں کی پرسش نہ ہوگی۔ بلکہ جیسا کہ روایات میں بھی ہے۔ روز محشر

دوسری رائے: ان احادیث میں نفی تمام حالات اور زمانوں پر واقع نہیں ہے۔ بلکہ حالات میں سے ایک خاص حال پر اور زمانوں میں سے ایک خاص زمانہ پر ہے۔ نفی سے مراد یہ نہیں ہے کہ گنہگار کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خاص زمانہ ہوگا اور معین حالت ہوگی جس میں وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اب ممکن ہے کہ حالت سے مراد یہ ہو کہ وہ ابتداء میں پہلے داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل نہ ہوگا۔ یا اس کا داخلہ ایسا نہ ہوگا کہ کسی قید اور پابندی کے بغیر جنت کی ہر نعمت اور لذت اسے حاصل ہو جائے۔ یا یہ کہ اسے جنت کے تمام درجات نہ ملیں جس طرح جہنم (اعاذنا اللہ منہا) کے بہت سے درجات ہیں۔ اسی طرح جنت کے بھی بہت سے مراتب ہیں۔ بلکہ اس کا داخل ہونا حالات میں سے ایک خاص حالت کے مطابق ہوگا۔

اس رائے کو بعض لغت غلط کہتی ہے اور نہ دین اس کا انکار کرتا ہے اس کے نظائر لوگوں کے کلام میں موجود اور نہایت معروف ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت ارشاد ہوتا ہے کہ:-

رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ	موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں
قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ	تجھے دیکھوں گا۔ کہا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے
(۷/۱۴۳)	لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو۔

چیزیں بالکل ہی مفقود ہیں کیونکہ ایسا ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

روایات کی یہ توجیہ اس بارے کی بہت سی صحیح احادیث کے موافق کہ مسلمانوں کے بہت سے گروہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ لیکن آخر کار برائیوں کی میل سے نکھر کر اس سے نکل آئیں گے۔

ان احادیث کے بارے میں یہ دونوں توجیہات نہایت عمدہ اور احسن اس بارے میں اور بہت سے اقوال بھی ہیں۔ جنہیں شارحین حدیث نے نقل کیا ہے چنانچہ

ایک گروہ کہتا ہے۔ "یہ احادیث قرآنی آیات، صحیح احادیث اور جماع علماء سے منسوخ ہو چکی ہیں۔ دوسری صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل توحید لامحالہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اگرچہ ایک زمانہ تک نہیں جہنم کے عذاب میں مبتلا رہ پڑے گا۔"

دوسرا گروہ کہتا ہے "اس قسم کی احادیث ابتداء اسلام میں تھیں۔ اب نہیں"

تیسرا گروہ کہتا ہے "یہ احادیث اس شخص سے متعلق ہیں۔ جو ان برائیوں کو حلال کرتا ہو۔ نہ کہ اس کے متعلق جو انہیں کرتا تو ہو لیکن حرام سمجھتا ہو۔ لہذا جو شخص چغلی کھانے، قطع رحمی کرنے اور معاہد ذمی لوگوں کا خون بہانے کو حلال سمجھتا ہے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اس لیے کہ حرام چیز کو حلال قرار دینا کفر ہے"

کی گفت و شنید میں اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کچھ لوگ حج کو جانا چاہتے ہیں۔ "کیا آپ بھی حج کو چلو گے؟" اس کے جواب میں آپ کہتے ہیں "نہیں میں نہیں جاؤں گا" ظاہر ہے کہ آپ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کبھی بھی حج کو نہیں جائیں گے۔ بلکہ آپ کا خیال خاص سال میں جانے کا نہیں ہے۔ جس میں وہ لوگ جا رہے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی آپ سے کہتا ہے کہ "کیا آپ میرے ساتھ فلاں مکان تک چلیں گے؟" اور آپ جواب میں کہتے ہیں کہ "نہیں" تو اس وقت آپ کی مراد ہرگز یہ نہیں ہوتی کہ آپ کبھی وہاں نہ جائیں گے۔ بلکہ اس خاص گھڑی میں نہ جائیں گے جس میں جانے کے لئے وہ شخص آپ سے کہہ رہا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی واضح کلام ہے جو لغت میں جائز اور فصیح ہے۔ اب چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب تھے۔ لہٰذا دوسرے اہل عرب کی طرح آپ بھی اپنے کلام میں انہی کا طرز اختیار کرتے تھے۔ اسی طرح جب کسی آدمی میں خدا کا تقویٰ اور خوف کم ہو تو آپ کہتے ہیں کہ "فلاں آدمی اپنے اندر خدا کا تقوے اور خوف نہیں رکھتا" اگرچہ تقوے و خوف کی اصل اس میں موجود ہو۔ اسی طرح جب انسان اپنے اندر لوگوں کا بہت کم خوف، اور خشیت رکھتا ہو تو آپ کہتے ہیں کہ "فلاں آدمی نہ کسی سے ڈرتا ہے، نہ کسی سے محبت کرتا ہے اور نہ کسی سے امید وابستہ رکھتا ہے" اس سے آپ کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس میں یہ

تحریم من قال لا الہ الا اللہ علی النار

جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ" جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی۔ اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَلَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا" اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں۔ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جب وہ اس کے حق کو بجا لائیں تو انہیں عذاب نہ کرے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَا مِنْ عَبْدٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ" کہ جو بندہ بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ ان احادیث کا انداز بیان ایسا ہے کہ لفظ تو عام ہے مگر اس سے مراد خاص ہے۔ چنانچہ یہ احادیث اگرچہ اس بارے میں عام ہیں کہ جس نے بھی ان برائیوں کو کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ خواہ وہ مسلم ہو یا کافر۔ لیکن دراصل اس جگہ مراد کافر ہی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ شریعت اور فصیح لغت میں بہت سی عام چیزوں سے مراد خاص چیزیں ہوتی ہیں۔"

پانچواں گروہ کہتا ہے ان احادیث کا مقصد صرف گنہگاروں کو ملامت کرنا اور خوف دلانا ہے۔ ورنہ حقیقت میں ایسا نہیں جیسا کہ ان احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سے اقوال ہیں۔ یہ تمام اقوال ایسے ہیں جو کچھ بھی وزن نہیں رکھتے بلکہ ان میں سے بعض تو ملحدوں کے اقوال ہیں۔ جیسا کہ آخری قول ہے۔

س کو جہنم کی خطرناک گھاٹی سے گزرنا ہوگا۔ چنانچہ فرمایا

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ	پس نمازیوں کے لئے ویل ہے جو اپنی
عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (ماعون)	نمازوں سے تغافل دے اعتنائی برتتے ہیں۔
فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ	پس ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ جانشین ہو
أَضَاعُوا الصَّلَوٰةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ	جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور اپنی خواہشات کی
فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم ۴)	پیروی کی پس عنقریب وہ ہی ویل و ہلاکت پائیں گے
فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ	پس اگر وہ توبہ کرکے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ
آتَوُا الزَّكَوٰةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ (توبہ ۴)	ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

دوسری آیت میں ہے فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (تو ان کا رستہ چھوڑ دو اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دو)

لہٰذا معلوم ہوا کہ جس شخص نے توبہ کرکے لا الہ الا اللہ نہیں کہا، نہ نماز قائم کی اور نہ زکوٰۃ ادا کی تو مومنین اس کا راستہ نہ چھوڑیں گے بلکہ اس سے ایک جنگ کریں گے ظاہر ہے کہ جس سے جنگ کرنا مومنین پر واجب ہو وہ ان میں سے نہیں ہو سکتا اور جنت کا وارث نہیں بن سکتا۔ اسی طرح جس نے نماز و زکوٰۃ کو قائم نہیں کیا وہ بھی ان میں سے نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ زبان سے ہزاروں مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرتا رہے۔ وہ ان کا بھائی نہیں ہو سکتا کیونکہ آیت نے ان کا ان کی بجا آوری ہی کو اسلامی اخوت کے

کی شہادت دیتا ہے اللہ نے اسے آگ سے محفوظ کر لیا۔"

حضرت عتبان بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یَدْخُلُ اَنَّہٗ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَیَدْخُلُ النَّارَ" (جو بندہ بھی شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا) دوسری روایت میں ہے "اَوْ تَطْعَمُہُ النَّارُ" (اسے آگ نہ کھائے گی۔

یہ تمام روایات صحیح ہیں جنہیں اصحاب صحاح ستہ نے اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ ان روایات پر تکیہ کر کے بعض لوگوں نے یہاں تک غلو کیا ہے کہ کہنے لگے کہ "جس نے لا الہ الا اللہ کی شہادت کو ادا کر دیا وہ جنتی ہے اور دوزخ سے نجات پا چکا اگرچہ وہ ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے آلودہ ہو۔ اور اس نے بھولے سے بھی کوئی نیک کام نہ کیا ہو" حالانکہ اس قول کا ظاہری مطلب دین و صواب سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتا اور وہ دین کے قطعی اصولوں اور جملہ آئمہ اسلام کے اجماع، عقل اور ہدایت کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث میں ایک جگہ نہیں بلکہ سینکڑوں جگہ یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جس نے نماز یا اسلام کے بڑے ارکان میں سے کوئی رکن چھوڑ دیا اس کا ٹھکانا آگ ہے اور اس کا انجام اللہ کا غضب ہے۔ قرآن کا صاف اعلان ہے کہ جس نے اللہ کی نافرمانی کی اسے آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور

وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ ... اور انہیں آواز دی جائے گی کہ اس جنت کے

وَرِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (الاعراف ۴۳) ... وارث بنا دیئے گئے اپنے ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كَانُوا ... وہ تو بس انہی اعمال کا بدلہ پائیں گے۔ جو قلب

يَعْمَلُونَ ... کرتے تھے۔

اس قسم کی بے شمار آیات اور بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اعمال کے بغیر ایمان ایک بے فائدہ چیز ہے بلکہ اس کا وجود ہی نہیں۔ علماء اسلاف کہتے ہیں۔ اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَفِعْلٌ وَعَقِیْدَۃٌ (یعنی ایمان مجموعہ ہے قول فعل اور عقیدہ کا) اور تمام اہل حق اسی کے قائل ہیں۔

قرآن نے مومنین کو بار بار یہ تعلیم دی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ... اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ... اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ ... اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ... اللہ کے راستہ میں جہاد کرو

اور یہ کہ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ... مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے

ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا ... اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ ... ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی

لئے شرط قرار دیا ہے۔ نیز ہم جانتے ہیں کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (مومنین تو آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں) لہٰذا جو شخص ان کا بھائی نہیں ہے وہ مومن بھی نہیں ہے۔ قیامت کے روز اہل جہنم اس بات کا اعتراف کریں گے۔ کہ انہیں جہنم میں داخل کرنے والی سب سے پہلی چیز ان کا نیک اعمال کو ترک کرنا ہے چنانچہ جب ان سے جہنم میں گرائے جانے کی وجہ پوچھی جائے گی تو وہ جواب دیں گے۔

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (مدثر ۳)	ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔ اور ہم مسکین کو کھانا نہ کھلایا کرتے تھے۔

اور ایک نہیں بلکہ متعدد آیات میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جنت کے حق دار وہی لوگ ہوں گے جو ایمان لاکر نیک اعمال کریں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (کہف آخر)	بیشک جن لوگوں نے ایمان لاکر نیک اعمال کئے ان کے لئے (آخرت میں) مہمانی کے طور پر فردوس کے باغات ہوں گے۔

بلند جنت کی طرف چلنے کا راستہ بھی اللہ تعالےٰ نے عمل صالح کو قرار دیا ہے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔

دوسری آیت میں فرمایا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ	اور جنہوں نے اللہ کے نازل کردہ (قرآن و حدیث
اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ	کے مطابق فیصلے نہیں کئے وہی لوگ دراصل کافر ہیں

دوسری آیت میں فرمایا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (وہی لوگ دراصل ظالم ہیں) تیسری آیت میں فرمایا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (وہی لوگ دراصل فاسق ہیں) نیز فرمایا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى	یہ نہیں تیرے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ اس
يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا	وقت تک ایمان نہیں لا سکتے جب تک کہ
يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا	یہ اپنی جھگڑوں میں تجھے اپنا جج اور
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (پ ۵)	فیصل نہ مقرر کریں گے۔ اور یہی نہیں بلکہ

اس وقت تک کہ تیرے فیصلے سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ بسر و چشم اسے تسلیم کریں۔

یہ تمام آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ محض شہادتیں لا الٰہ الا اللہ محمد

اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِیْنَ	ہیں۔ ان کے ایمان کو تقویت حاصل ہوتی
یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ	ہے۔ اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں
یُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ	(ان کا کام یہ ہے کہ) نماز قائم کرتے ہیں جو کچھ
حَقًّا (انفال ۱)	ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی حقیقی مومن ہیں۔

سورہ بقرہ کے شروع میں ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ	کتاب یہ قرآن ہی ہے جس میں کوئی شک نہیں
هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ	یہ قرآن ان متقین کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے
بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا	جو اللہ پر بن دیکھے ایمان رکھتے ہوئے نماز
رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ	قائم کرتے اور ہمارے دیئے ہوئے مال سے خرچ
یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ	کرتے ہیں۔ جو تیرے اور تجھ سے پہلے انبیاء
مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ	پر اتری ہوئی کتابوں اور پیغامات پر ایمان اور
اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ	آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ دراصل اپنے
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	پروردگار کی ہدایت پر ہیں۔ اور فلاح و
	کامرانی انہی کا حصہ ہے۔

نافرمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ	اور جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی تو اس
لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ (جن ۲۰)	کے لیے جہنم کی آگ ہے۔

سلم ـــــ آپ نے فرمایا میں قسم کھاتا ہوں
جنت نے اپنے بارے میں کہا کہ
آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں
نہیں ہے کوئی ایمان نہیں لا سکتا تاوقتیکہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی
پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے) ـــــ آپ نے فرمایا "کما
تدخلوا الجنۃ حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا" تم اس وقت تک
جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ۔ اور تم ایمان نہیں لا سکتے
تاوقتیکہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ ـــــ آپ نے
فرمایا "لا یؤمن من لا یأمن جارہ بوائقہ" اللہ کی قسم وہ شخص ایمان
نہیں لاتا جس کے شر و خیانت سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں
رہتا) ـــــ آپ نے فرمایا "دخلت امرأۃ النار فی ہرۃ" ایک
عورت بلی کی وجہ سے آگ میں داخل ہوئی ـــــ آپ نے
فرمایا "بنی الاسلام علی خمس" اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔
(۱) کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا (۲) نماز قائم
کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا۔ (۵) اور اگر
راستہ کے خرچ کی طاقت ہو تو بیت اللہ کا حج کرنا) جب جبرئیل نے آپ سے
اسلام کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا "اسلام نام ہے شہادت

رسول اللہ۔ انسان کو کفر سے اور پھر آگ سے نہیں بچا سکتیں۔ نہ اس کے لئے جنت کے داخلہ کا سبب بن سکتی ہیں۔ ہم ہر نافرمانی پر آگ یا غضب یا محرومی جنت کی دھمکی پاتے ہیں چنانچہ قرآن کے سود خوروں کو نہایت ہی سخت الفاظ میں ڈانٹ بتلائی ہے اور اسی طرح زنا، قتل، چوری، ظلم اور سرکشی کے نہایت بھیانک انجام بیان کئے ہیں صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَقَدْ كَفَرَ (جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا) آپ نے فرمایا اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ (ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے لہٰذا جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا) ——— آپ نے فرمایا لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ (ایسا نہیں ہوتا کہ زانی زنا بھی کرے اور زنا کرتے وقت مومن بھی رہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ چور چوری بھی کرے اور چوری کرتے وقت مومن بھی رہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ شرابی شراب بھی پئے اور شراب پیتے وقت مومن بھی رہے) ——— آپ نے فرمایا لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ (جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا۔ بخاری و مسلم) ——— آپ نے فرمایا لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ (جنت میں قطع رحمی کرنے والا داخل نہ ہوگا

کلمہ شہادت "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کو کر لینے پر آگ حرام ہے خواہ وہ اللہ و رسول کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرے۔ وہ فرشتوں اور انبیاء کا بھی انکار کر سکتا ہے۔ اور اس کے لئے قیامت اور مابعد الموت کے حالات کا انکار بھی جائز ہے ——— حالانکہ ایسا کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ احادیث کے ظاہری الفاظ ہی کو لے لینا صحیح نہیں ہے۔

احادیث کا صحیح مطلب اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب احادیث کے ظاہری لفظ کو لینا صحیح نہیں ہے تو احادیث کا مطلب کیا ہے اور ان احادیث پر کس چیز کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان احادیث کے پس منظر کو معلوم کریں اور پھر دیکھیں کہ کہنے والے نے کس حال میں انہیں کہا اور سننے والے نے کس انداز میں انہیں سنا۔ اگر ہم ان تمام شرائط پر نظر ڈالیں تو ہمارے لئے احادیث کو صحیح سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ اور ہم کبھی غلط راہ پر نہیں چل سکیں گے۔ ورنہ اگر ہم پس منظر سے بے نیاز ہو کر محض الفاظ ہی سے انہیں سمجھنا چاہیں گے۔ تو لا محالہ اپنے تئیں غلط راہ پر پڑ جائیں گے۔ یہ حال احادیث ہی کا نہیں بلکہ ہر اس قول کا ہے جسے ہم سمجھنا چاہیں۔ جو شخص کسی قول کو سمجھنا چاہے اس کے لئے ناگزیر ہے

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" ادا کرنے، نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے، رمضان کے روزے رکھنے اور بیت اللہ کا حج کرنے کا ——— آپؐ نے فرمایا "میں نے جہنم میں جھانک کر دیکھا کہ اس کی بیشتر آبادی عورتوں پر مشتمل تھی، صحابہؓ نے دریافت کیا "یا رسول اللہ! ایسا کیوں ہے" فرمایا "اس لیئے کہ کفران (ناشکری) کرتی ہیں" پوچھا "کیا اللہ کا کفران کرتی ہیں؟" فرمایا "نہیں بلکہ احسان کا" ——— نیز آپ نے فرمایا "جو اپنے باپ سے پھرے۔ اس نے کفر کیا" ———

یہ تمام احادیث صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا لوگوں میں دو چیزیں ایسی ہیں جو کفر ہیں۔ نسب میں طعن اور میت پر ماتم" صحیح بخاری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ "جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میں نے اس سے اعلان جنگ کر دیا ہے") اس مضمون کی صحیح احادیث شمار سے باہر ہیں۔ اور جن احادیث سے مخالفین نے دلیل لی ہے نہ وہ تعداد میں ان احادیث کے برابر ہیں اور نہ صحت میں۔

اس کے بعد بھی اگر مخالفین یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے لیئے مذکورہ احادیث کے ظاہری الفاظ ہی لے لینا جائز ہے تو انہیں یوں کہنا چاہیئے "جس نے

حرام کر دیا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص آگ پر حرام ہے جس نے نبی ﷺ کی لائی ہوئی دعوت کو قبول کر لیا اور یہ دعوت تھی اللہ کی توحید اور آنحضور ﷺ کے رسول ہونے کی تصدیق ۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ صحیح معنی میں توحید کی تصدیق اس بات کی مقتضی ہے کہ اس دعوت کو قبول کر کے پورے اسلامی نظام اطاعت کو قبول کر لیا جائے۔ آپ کے قول کا منشاء ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہر وہ شخص آگ پر حرام ہے جس نے زبان سے شہادتین کو ادا کر دیا ہو۔ خواہ وہ اس ادائیگی کے ساتھ اعمال کو ترک ہی کیوں نہ ہو۔ یہ چیز نہ مخاطبین میں موجود تھی اور نہ اس زمانہ میں شہادت کا یہ مطلب تھا۔ اور یاد رہے کہ آج روایات کا وہ مفہوم لینا جو اس وقت ذہن و خیال میں بھی نہ تھا کسی طرح درست نہیں اور جو شخص ان الفاظ کا ایسا مفہوم لیتا ہے وہ سراسر غلطی پر ہے پس جس نے بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کو ادا کر دیا خواہ نے اسے آگ پر حرام کر دیا کے معنے یہ ہوئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا اور آپ جانتے ہیں کہ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز کو بھی قبول کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے جسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں بھیجے گئے وہ کیا چیز تھی؟ وہ تھی "اعمال اور ارکان اسلام" اس چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایمان لانے والے پر فرض کیا ہے۔ اور جس نے اس پر عمل نہیں کیا اس کے لئے آگ اور

کہ ان ظروف و احوال کو ملحوظ خاطر رکھے جس میں متکلم اور مخاطب بات چیت کر رہے ہوں، تاکہ وہ کہنے والے کے مقصد کی تہ کو پہنچ سکے۔ ورنہ جو شخص ایسا نہ کرے گا اس کی لغزشیں اس کے صحیح اندازوں سے کہیں زیادہ ہوں گی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں علماء کے درمیان قطعاً اختلاف نہیں۔

پس ضروری ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کے حالات کو سمجھیں جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث کے ذریعے مخاطب فرمایا تھا تاکہ ہم اس طرح کی تجریدی سے محفوظ رہ سکیں۔ جب ہم نظر دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث کے ذریعے مخاطب فرمایا تھا۔ وہ صرف شہادتین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا انکار کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی شخص شہادتین کا قرار کر لیتا تو اعمال کا انکار نہ کرتا تھا اور ان اطاعات کو بجا لانے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرتا تھا۔ جنہیں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ بلکہ پوری فروتنی کے ساتھ تابع فرمان بن جاتا تھا۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کے درمیان اختلاف توحید اور شہادتین میں تھا۔ اعمال میں نہ تھا۔ لہٰذا آنحضورؐ کے قول "جس نے بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی اللہ نے اسے آگ پر

اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا بھی منشا ہے۔

یہ تو پہلی توجیہ ہے جو صاحب بصیرت کے لئے پوری طرح کافی ہے لیکن ایک دوسری توجیہ یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض لوگ ایمان لاتے تھے۔ لیکن عمل کے وقت کے پہنچنے سے پہلے پہلے یا تو انتقال کر جاتے تھے یا اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے تھے۔ موت انہیں اتنی مہلت ہی نہ دیتی تھی کہ وہ کوئی عمل کر سکیں۔ اگرچہ ان لوگوں نے کوئی عمل نہیں کیا لیکن وہ جنت کے حق دار اور جہنم پر حرام ہوں گے۔ ان احادیث میں اسی قسم کے لوگ مراد ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ پر ایمان لائے لیکن فوراً ہی آپ کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ قبل اس سے کہ وہ نماز پڑھتے۔ یا روزہ رکھتے یا دوسرے ارکان پر کاربند ہوتے بلاشبہ ایسے لوگ جنت میں ہوں گے۔ یہ احادیث انہی لوگوں کے حق میں کہی گئی ہیں یہ تو توجیہ پہلی توجیہ سے دوسرے نمبر پر ہے۔

اب ایک تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی شہادت اور آپ پر ایمان لانے کے سلسلہ میں یہ چیزیں شامل ہیں کہ آپ کے رسول ہونے کی شہادت دی جائے۔ آپ کے لائے ہوئے پیغام .....

غضب کی وعید سنائی ہے لہٰذا جو شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل نہ کرے وہ اپنے ایمان میں سچا نہیں ہو سکتا۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ کو کسی شخص کے حقیقی دوست ہونے کا دعوے ہے لیکن اپنے دعوے کے ساتھ ان باتوں پر عمل نہیں کرتے۔ جو دوستی کا تقاضا ہیں اور جن کو محبت چاہتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ ایسی صورت میں کوئی نہ ہوگا جو آپ کے دعوے کی تصدیق کر سکے۔ آپ کسی طرح بھی اس کے حقیقی دوست نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ محبت کرنے والا لامحالہ اپنے محبوب کا اطاعت گذار اور وفادار ہوتا ہے۔

ان احادیث کی مثال ایسی ہے کہ آج ایک شخص اٹھ کر بادشاہت طلب کرتا ہے اور لوگوں کی طرف ایک تحریری پیغام بھیجتا ہے کہ جو شخص آج مجھے اپنا بادشاہ تسلیم کرے گا۔ میں اس سے خوش ہوں گا۔ اور اسے ہمیشہ خوش رکھوں گا۔ اس پر کبھی خفا نہ ہوں گا اور کبھی تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ ——— تو کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کے اس اعلان سے یہ سمجھ لے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے بادشاہ ہونے کا محض اعتراف ہی کرے گا اسے یہ انعام مل جائے گا خواہ وہ میری اطاعت نہ کرے۔ اور میرے قوانین اور فرض کردہ امور کو ماننے سے انکار کر دے اور میرے خلاف علم بغاوت بلند کر دے؟ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح رسول اللہ صلی

قول پر ایمان رکھ سکتا ہے۔ اور اس ایمان میں سچا ہو سکتا ہے؟

پس رسول پر ایمان لانا اگرچہ جنت کا لازمی تقاضہ کہہ دیتے ہیں لیکن ہم یہ جرأت کہہ دیتے ہیں کہ یہ ایمان لانے کے بعد آپ کے لائے ہوئے پیغام کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے اور آپ کے ہر امر و نہی کی اطاعت و فرمانبرداری بجا لانے پر اس کے بغیر آپ کے رسول خدا ہونے پر ایمان نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ کسی شخص کے بادشاہ کو سچا قاصد ہونے پر ایمان یہ ہے کہ اس کے ہر دوسرے کی اطاعت کی جائے اور اس کے ہر حکم کو پورا کیا جائے۔ ورنہ جن لوگوں کی طرف قاصد بھیجا گیا ہوگا۔ وہ سمجھیں گے کہ اپنے آپ کو بادشاہ کی معرفت کے سامنے پیش کر رہے ہوں گے اور اس کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کر رہے ہوں گے۔ غرض رسول پر ایمان لانے میں ہر اس چیز پر ایمان شامل ہے۔ جسے رسول دنیا میں بھیجا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان احادیث میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا ذکر ہے، باقی تمام نبیوں، فرشتوں اور کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیئے کہ یہ تمام چیزیں خود بخود آپ پر ایمان لانے کے ضمن میں آ جاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو محض محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہی جہنم سے نجات دلانے کے لیئے کافی ہوتا خواہ اس کے ساتھ باقی تمام نبیوں، کتابوں، فرشتوں اور آخری دن پر ایمان نہ لایا جائے ان روایات سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اعمال ترک کر کے بھی انسان جنت میں پہنچ سکتا ہے جیسا کہ یہ روایات اس بات کو ظاہر

کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے اور آپ کے ہر امر و نہی کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ کسی انسان کا آپ پر ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا تاوقتیکہ آپ کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان نہ لائے اور جو ایسا نہ کرے گا مومن نہ ہوگا۔ اور نہ ہی وہ آپ کی رسالت کا سچا شاہد مانا جائے گا۔ اس لئے کہ آپ پر ایمان لانے کا مقصد ہی آپ کے لائے ہوئے پیغام، قول اور فعل پر اور آپ کے "من عند اللہ" ہونے پر ایمان لانا ہے۔ آپ کے رسول ہونے کی بنا پر آپ کی مخالفت اور نافرمانی جائز ہی نہیں بنتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ڈاکٹر کے علاج میں غلطی سے محفوظ یقین کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ علاج کرے۔ تو ہر اس چیز کو بجا لایا جائے جس کا وہ حکم دے۔ اور ہر اس چیز سے باز رہا جائے جس سے وہ منع کرے اور اپنے آپ کو پوری طرح اس کے حوالے کر دیا جائے۔ جو شخص بیمار ہونے کی حالت میں اس ڈاکٹر کی ہدایت کو ٹھکرا دے تو اس کا یہ ٹھکرا دینا اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اسے اس ڈاکٹر کی مہارت اور صحیح علاج پر ایمان ہی نہیں ہے جن لوگوں میں مشعور فکر کا توازن ہے وہ اسے سمجھتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ اگر ایک شخص کہے کہ "سیبویہ ایک بے نظیر نحوی تھا اور کبھی اس نے غلطی نہیں کی تھی" اور پھر برابر اس کی مخالفت کرتا اور اس کی نحو میں نکتہ چینیاں کرتا ہے کیسے سیبویہ کے

سُجُودُ الشَّمْسِ تَحْتَ الْعَرْشِ

(سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنا)

ن ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے
اب کے بعد پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟
اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا

اَتَذْهَبُ حَتّٰى تَسْجُدَ	یہ سورج جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے
ثُمَّ تَسْتَأْذِنَ فَيُؤْذَنَ	سجدہ کرتا ہے۔ پھر وہ اجازت چاہتا ہے تو
لَهُ حَتّٰى تَكَادَ فَلَا يُقْبَلَ	اسے اجازت ملتی ہے اور قریب ہوتا ہے کہ
يُؤْذَنَ فَلَا يُؤْذَنَ	سجدہ کرے لیکن اس سے قبول نہیں کیا جاتا
لَهَا ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ	اور وہ اجازت چاہتا ہے تو اسے اجازت
جِئْتِ مِنْ مَغْرِبِكِ۔	نہیں ملتی۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ جہاں سے

ٹ جاؤ۔ یہی حال رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ دن آجائے گا جب وہ مغرب سے

اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا
ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔ ۔ سورج اپنے ٹھکانے کے مطابق چلتا ہے یہ زبردست

نہیں کرتی ہیں کہ وہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا جس نے عیسٰے ، نوح ، آخری دن ، جنت اور دوزخ سب کا انکار کر کے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو کافی سمجھ لیا ہو۔

آخر میں ان مخالفین کو چاہیئے کہ قرآن کی ان دو آیات پر غور کریں " بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ " (ہاں کیوں نہیں جن لوگوں نے بدی کمائی اور انہیں ان کے گناہوں نے گھیر لیا وہی دوزخ والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے) اور " اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا " (بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بے انصافی سے کھاتے ہیں وہ اپنے شکموں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے) واللہ اعلم بالصواب

نائب ہو جاتا ہے ——— دراصل اس گروہ نے روزمرہ کے مشاہدہ کی مخالفت کی کوئی پروا نہیں کی۔

یہ دونوں گروہ غلطی پر ہیں اور واضح طور پر غلطی میں مبتلا ہیں۔ جیسا کہ آپ کو حدیث کے خط لفظ کی تفسیر بیان کرنے سے معلوم ہوگا۔

پوری حدیث کو ہم چھ اجزاء میں تقسیم کر سکتے ہیں۔۔

(۱) ——— سورج غروب ہوتا ہے

(۲) ——— سورج چلتا ہے۔

(۳) ——— یہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔

(۴) ——— یہ اجازت چاہتا ہے اور اسے اجازت ملتی ہے

(۵) ——— یہ چلتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے ٹھہر جاتا ہے۔ اور عرش اس کی جائے قرار (ٹھہرنے کی جگہ) ہے

(۶) ——— سورج کا یہ اپنے مغرب سے طلوع ہوگا۔

یہ ہیں حدیث کے چھ اجزاء اب ہمیں دیکھنا ہے کہ آیا ان میں سے خلافِ مشاہدہ کوئی چیز ہے کہ نہیں؟

(۱) ——— پہلا جز ہے کہ سورج غروب ہو جاتا ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے کہ غروب ہو جانے سے مراد چھپ جانا اور نگاہ سے اوجھل ہو جانا ہے۔ سورج چھپتا ہے ہمیں اس سے کوئی

اور بہتر علم رکھنے کا اندازہ ہے۔

اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اور وہ قول کے ایک لفظ ہیں۔

فَتَأْذَنُ فِي السُّجُودِ فَيُوشِكُ أَنْ	پھر وہ سجدہ کرنے کی اجازت چاہتا ہے تو
لَهَا وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا ارْجِعِي مِنْ	اسے اجازت ملتی ہے کہ ماکہ اس سے کہا جاتا
حَيْثُ جِئْتِ	ہے کہ جہاں سے تو لوٹ جاؤ۔

ایک گروہ اس حدیث کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ سورج ایک وقت میں زمین سے غائب ہو کر عرش کے نیچے سجدہ کرنے چلا جاتا ہے ـــــ پھر اسی بنا پر یہ گروہ حدیث کا انکار کرتا ہے اور اس حدیث اور اس کے نقل راویوں میں نقائص بیان کرتا ہے۔ اس گروہ کا اعتراض یہ ہے کہ ہم حس و مشاہدہ کے مشاہدہ سے جانتے ہیں کہ سورج زمین سے کبھی جدا نہیں ہوتا بلکہ اگر ایک نصف کرہ سے غائب ہوتا ہے تو اسی وقت دوسرے نصف کرہ میں چمک رہا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس طرح ساری زمین کو طے کر جاتا ہے ..... لہذا حدیث قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ جو حدیث حس و مشاہدہ کے خلاف ہو اس کی تصدیق نہیں کی جا سکتی۔"

ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ واقعی سورج روزانہ عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے لئے چلا جاتا ہے اور زمین سے

حرکت کرنا اور منتقل ہونا نہیں ہے۔

ثالثاً ——— تیسرا جزو یہ ہے کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے" ——— قرآن نے بتایا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	زمین و آسمان میں جو بھی ہیں وہ سب صبح و شام
وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ	تم اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ خواہ تو خوشی سے
بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۔ رعد ۱۵	یا مجبوری سے۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ	کیا تم نہیں سمجھتے کہ اللہ کو وہ تمام سجدہ کرتے
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ	ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ	ہیں۔ اور سورج بھی، چاند بھی، ستارے
وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ	بھی۔ پہاڑ بھی، درخت بھی، چوپائے بھی
وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۔ حج ۲	اور بہت سے آدمی بھی اور بہت سے
	لوگوں پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔
وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۔ الرحمٰن	اور تارے اور درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں۔

اس بارے میں آیات بہت ہیں اور جیسا کہ فرمایا کہ ہر چیز اس پر ایمان لے آئی ہے اور ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے (سبحان اللہ کہتی ہے)

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ	اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح

بحث نہیں کہ آیا یہ غروب ہونا زمین کی سورج کے گرد گردش کی وجہ سے ہوتا ہے یا سورج خود گھومتا اور غروب ہو جاتا ہے۔ غروب ہونے کا لفظ چھپ جانے کے مفہوم میں عام استعمال ہوتا ہے چنانچہ اہل عرب جب پہاڑ سے دور نکل جاتے ہیں اور وہ ان کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں: غَرَبَ الْجَبَلُ، یعنی پہاڑ غروب ہو گیا۔ حالانکہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہوتا ہے۔ زائل نہیں ہو جاتا جو لوگ کہتے ہیں کہ سورج ثابت رہتا ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ سورج غروب ہوا یا طلوع ہوا۔ سورج کا غروب ہونا خود قرآن میں مذکور ہے۔

ثانیاً ——— دوسرا جزء ہے کہ "وہ جاری ہوتا یعنی چلتا ہے" اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ موجودہ زمانہ کے علماء فلکیات کہتے ہیں کہ "سورج خود اپنے اردگرد گھومتا ہے" اور کہتے ہیں کہ اس کی ایک دوسری گردش ایک دوسرے ستارے کے گرد بھی ہے" اور ظاہر ہے کہ گردش بغیر جاری ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اور جاری ہونے کا مطلب ہے "چلنا" علاوہ ازیں جاری ہونے کا ایک دوسرا استعمال بھی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں کہ "ہندوستان پر انگریزوں کا قانون جاری ہے" اور جیسا کہ آپ کہتے ہیں "مقدر یہ تھا جو ہونے والی چیز پر جاری ہو گیا" اس کی مثالیں اور بھی بہت ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان ..... سے مراد واقع

اور جیسا کہ عمرو بن کلثوم نے کہا

یَخِرُّ لَہٗ بِجَبَاہٍ سُجَّدٍ بِنَا اِذَا بَلَغَ الْفِطَامَ لَنَا صَبِیٌّ

(ترجمہ: جب ہمارا بچہ دودھ چھوڑنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو بڑے بڑے بہادر سردار اس کے روبرو سجدے میں گر پڑتے ہیں)

ان تینوں آیتوں میں سجدے سے اطاعت اور تابعداری ہے اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے طوعاً و کرہاً (خوشی سے یا مجبوری سے) اور ظلالہم بالغدو والآصال (اور ان کے سائے صبح و شام سجدہ کرتے ہیں)

ہم کہہ سکتے ہیں کہ سجدہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وجود کا پتہ دینا ہے۔ یعنی ان مخلوقات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے اور صرف وہی اس چیز کا مستحق ہے کہ تمام چیزیں اسی کو سجدہ کریں اور اسی کی عبادت کریں۔ یہ مجازی معنی ہیں جو لغت میں مشہور ہیں البتہ سجدہ کی پہلی تفسیر قابل ترجیح ہے۔

اب باقی رہا سجدہ کے ساتھ تعظیم کی قید لگانا یعنی یہ کہ سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے تو دراصل اس سے اطاعت و خشوع میں مبالغہ مقصود ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں ملک یقبل الارض بین یدی فلان (بادشاہ فلاں کے آگے زمین کے قدموں کے نیچے سجدہ کرتا ہے) اور

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل ع ۵) نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ جو چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اس نے اللہ کی تسبیح کی۔

لیکن اس جگہ سجدہ سے مراد عقلاء (جن اور انسان اور فرشتے) کا سجدہ اور تسبیح سے مراد عقلاء کی تسبیح نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ذیل میں سے کوئی ایک ہیں۔

یا تو اس سے مراد انقیاد و اطاعت اور خشوع و خضوع ہے اور لوگ اس کا نام سجدہ رکھتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

اَيَدْعُوْ فَيَسْجُدُ مَنْ بِالسُّوْءِ يَذْكُرُنِيْ فَلَا اُعَاتِبُهٗ صَفْحًا وَاَهْوَانَا

(ترجمہ) جب میں ظاہر ہوتا ہوں تو وہ شخص بھی سجدہ کر دیتا ہے۔ جو میرا ذکر برائی سے کرتا ہے۔ لیکن میں درگزر کرتا ہوں اور اسے ناقابل خطاب سمجھتے ہوئے عتاب نہیں کرتا۔

دوسرے نے کہا۔

فَكَيْفَ بِمَنْ رَاَتْنِيْ لُحْتُ وَاقِفًا هَوٰى سَاجِدًا مِنْ خَشْيَتِيْ وَتَقَوَّضَا

(ترجمہ) اس شخص کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جس کا یہ حال ہے کہ اگر وہ مجھے کھڑا دیکھ پائے تو میرے خوف کی وجہ سے سجدہ میں گر پڑے اور جان دیدے۔

اپنے پروردگار کے حکم کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی پیغام ہم نے اوپر بیان کیا ہے
اس طرزِ بیان کا روزمرہ کی کلام میں کثرت سے رواج ہے چنانچہ ہم بھی
گفتگو میں کہتے ہیں یہ بوسیدہ کپڑے ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم پر بیت رہنے
والی ہے اور ہر جدید کا انجام کار بوسیدگی اور زوال ہے۔ یہ تو بے جان
چیزوں کی زبانوں میں مدت تک رہنے کی حکایت کر رہی ہیں۔ کہتے ہیں "میرے
اونٹ نے مجھ سے لمبی مسافت طے کرنے کی شکایت کی اور اس جانور نے
مجھ سے بھوک اور تکان کی شکایت کی" کہتے ہیں "یہ گھر آہ و ہائے کہ اس
کا بنانے والا بہت ہی معمار تھا" کہتے ہیں "یہ تصویر ہمیں بتا رہی ہے کہ اس
نے مجھے نقش کیا ہے وہ ایک ماہر آرٹسٹ تھا" کہتے ہیں "عجیب
آنکھیں کہہ رہی تھیں سَمِعْنَا وَ طَاعَةً (ہم نے سن لیا اور اطاعت کی)"
ان کی مثالیں بے شمار ہیں چنانچہ مفسرین کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ہر
وہ قول جو نباتات، آسمان اور زمین وغیرہ کی طرف منسوب ہو اور ہر وہ
خطاب جو اللہ اور ان چیزوں کے درمیان ہو اسی معنی پر محمول ہوگا جیسا
جیسا کہ زمین اور آسمان کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (قَالَتَا اَتَيْنَا
طَائِعِيْنَ (حم السجدہ ۲) دونوں نے کہا کہ ہم اطاعت کرتے ہوئے آئے اور
اس کے بہت سے نظائر قرآن میں موجود ہیں۔ چنانچہ اس کی ایک مثال
سورج کا اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہنا اور سجدہ کرنا بھی ہے۔

وَيَسْجُدُ تَحْتَ عَرْشِ الْمَلِكِ (وہ آدمی بادشاہ کے تخت کے نیچے سجدہ کرتا ہے) اس جگہ تحت کا مقصود صرف مبالغہ ہے نہ کہ واقعی عرش کے نیچے سجدہ کرنا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "اِنَّهَا تَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ پوری طرح اللہ کے سامنے خشوع و خضوع کرتا ہے۔

رابعاً ۔۔۔ ۔۔۔ چوتھا جزیہ ہے کہ "وہ اجازت چاہتا ہے تو اسے اجازت ملتی ہے" ۔۔۔ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد دراصل مجاز ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سورج اپنے خالق کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے، اس کا طلوع اور غروب ہونا سب اپنے مالک کی مرضی اور ارادہ کے مطابق ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ اسے حکم کرتا ہے۔ اور وہی اسے روکتا ہے اور وہ اس کے امر و نہی کو سمجھتا ہے جسکو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے چلنے کے لئے صبح و شام اپنے آقا سے اجازت چاہتا ہے۔ سب کچھ اس کی انتہائی اطاعت اور خشوع و خضوع کا بیان ہے اس لئے کہ دستور ہے کہ ہر اطاعت گزار جس کی اطاعت کرتا ہے اس سے اجازت چاہتا ہے اور جو کام کرتا یا چھوڑتا ہے اس میں اسی کے حکم کا انتظار کرتا ہے حتیٰ کہ اپنا ایک ایک قدم اس کی مرضی کے مطابق رکھتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ اجازت چاہنے کو مطلقاً بیان فرمایا ہے لیکن مقصود یہ ہے کہ سورج ہمیشہ

واعتمدہ ہو۔ یہ قیامت کی ایک علامت ہے جیسا کہ متعدد صحیح احادیث میں آیا ہے۔ کہ قیامت کے قائم ہونے سے پہلے سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔

سب ناظرین پر واضح ہو چکا ہے کہ جن شکوک کی بنا پر لوگوں نے اس حدیث کو منکر گردانا ہے وہ اس قابل نہیں ہیں۔ کہ ان کی وجہ سے ایک صحیح حدیث کو رد کر دیا جائے۔ اگر کوئی مجھ سے یہ کہے کہ تم نے جو کچھ کہا ہے صحیح ہے اگر آنحضورؐ کا قول موجود نہ ہوتا: فَتَذْهَبُ حَتّٰى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ (جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے)" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ سے مراد صرف جانا اور اطاعت وخشوع نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث میں سجدہ کو جانے کی انتہا قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اس کے جانے کی انتہا یہ ہے کہ وہ سجدہ کرتا ہے لہٰذا اگر یہ ہے کہ سجدہ کی جو تفسیر تم نے اطاعت وخشوع سے کی ہے وہ غلط ہے" ——— اس کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے

ا ——— سورج کے عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے مراد آخری زمانہ میں جب دنیا فنا ہو جائے گی، اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور اس کی حرکت بند ہو جائے گی، واقعی اس کا عرش کے نیچے واقع ہو جانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ سورج کی شان وشوکت اسوقت تک برقرار رہے گی۔ جب تک کہ اللہ کا کارخانۂ عالم کے بگڑ جانے کا حکم

خامساً ——— پانچواں جزء یہ ہے کہ "وہ جاری ہوتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے ٹھہر جاتا ہے اور عرش اس کی جائے قرار ہے" ——— جاری ہونے کے معنی ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ اب رہا یہ کہ اس کا جاری ہونا عرش کی طرف ہوتا ہے اور وہ عرش کے نیچے ٹھہر جاتا ہے۔ تو دراصل اس میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ سورج آخر کار اللہ تعالےٰ کی طرف پلٹے گا کیونکہ اس کے بعد کوئی ایسی مخلوق ہے ہی نہیں جس کی طرف پلٹا اور رجوع کیا جائے جیسا کہ فرمایا

اَلَآ اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ (القرآن ۴۲/۵۳) سنو۔ تمام امور اللہ ہی کی طرف پلٹیں گے۔

اور لوگ کہتے ہیں "خطاب العرش" یعنی عرش کا خطاب" حالانکہ عرش کوئی خطاب نہیں کرتا لہٰذا اس کا مطلب ہوا "اس ہستی کا خطاب جو عرش پر متمکن ہے" یا اس سے مراد یہ ہے کہ آخر کار رب اللہ تعالےٰ قیامت قائم ہونے کا حکم دے گا تو سورج عرش کے نیچے جا کر ٹھہر جائے گا۔

سادساً ——— چھٹا جزء یہ ہے کہ "وہ مغرب سے طلوع ہوگا" ——— یہ اس وقت ہوگا جبکہ اللہ رب العالمین عالم کو بگاڑنے اور فنا ہو جانے کا حکم دے گا تاکہ اس کے خاتمہ سے ایک اور عالم کا وجود ہو جو اللہ کے نیک بندوں کے رہنے کے لئے اس عالم سے زیادہ آرام دہ

کہا جاتا ہے کہ تمہارا سے آیا ہے رسول بنا" اس بات کی واضح علامت
پر شہادت دیتی ہے اور یہ تاویل قوی تر ہو جاتی ہے۔ کہ حدیث
میں سورج کی حالت کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ لہذا اگر حدیث میں صحیح طریقہ
سے غور و فکر کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث اپنے
معنی کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔

نہیں دیتا اور جس دن اسے حکم دیدے گا سورج سجدہ کرتے ہوئے عرش کے نیچے چلا جائے گا اور سوائے ذات باری تعالےٰ کے ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے

۲ ——— اس میں ایک مثال پیش کی گئی ہے جیسا کہ کہتے ہیں سَارَ فُلَانٌ حَتّٰی اَتَی الْمَنْزِلَ (فلاں چلا یہانتک کہ منزل پر پہنچ گیا) سَارَ حَتّٰی انْقَطَعَ ظَهْرُهٗ (فلاں چلا یہاں تک کہ اس کی پیٹھ کٹ گئی) اس قسم کی بہت سی مثالیں روزمرہ کی بول چال میں مل سکتی ہیں۔ یہاں "حَتّٰی" کا ماقبل "حَتّٰی" کے مابعد سے الگ نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے موقعوں پر "حَتّٰی" (یہانتک کہ) کا لفظ عطف کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ وَ اور فَا آتے ہیں۔ علمائے نحو میں سے ایک جماعت کا یہ مشہور قول ہے اور حدیث تَذْهَبُ حَتّٰی تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ کا سیاق اسی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ یعنی جائے گا اور سجدہ کرے گا اور اس طرح حدیث اس شبہ سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔

بہرکیف حدیث کا منشا یہ بتانا ہے کہ سورج اللہ کا تابع، اسکے تکوینی حکم کے آگے سرنگوں اور اسی کے ارادہ و مرضی کے مطابق چلنے والا ہے یہانتک کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقل رکھتا اور اپنے مالک کے خطاب کو سنتا ہے آخری روایت یعنی "یہانتک کہ گویا کہ اس سے

یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ ۔۔۔ دے گی اس دن سے قیامت کے روز بازپرس ہوگی۔

اس کی اور بہت سی مثالیں صحاح، اور دوسری کتابوں میں ملتی ہیں۔

کچھ لوگوں نے ان احادیث کو مشکل گردانا ہے۔ اس بارے میں ان کا اعتراض یہ ہے۔

"قرآن کا، بلکہ اس کلام کا جس میں کوئی چیز بتائی جاتی ہے منشا، دلالت (بتانا اور اطلاع دینا) اور افہام (سمجھانا) ہوتا ہے اور دلالت نہیں پائی جاسکتی۔ تاوقتیکہ "دال" (بتانے والا) موجود نہ ہو اور جب "دال" ہی ناپید ہو تو دلالت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہر کلام جس میں خبر یا طلب مقصود ہو اس کا منشا کسی معنیٰ پر دلالت (بتلانا) اور افہام (سمجھانا) ہوتا ہے بالفاظ دیگر جب "لفظ" منسوخ ہو جائے ——— اور لفظ ہی دال ہوتا ہے ——— تو حکم اور دلالت کیسے باقی رہ سکتی ہے بلکہ ناگزیر ہے کہ "دال" کے منسوخ ہونے کے ساتھ ہی دلالت بھی ختم ہو جائے۔ چنانچہ جب نص ——— جو حکم وغیرہ پر دال ہوتی ہے ——— منسوخ ہو جائے تو لازم ہے کہ اس کا حکم بھی منسوخ ہو اور جب قرآن کی کوئی آیت ضروری ہے کہ اس کے حکم اور دلالت کو بھی منسوخ کیا جائے۔ یہ ایک لایعنی چیز ہوگی کہ لفظ تو منسوخ ہو جائے اور اس کا حکم باقی رہ جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی حاکم اپنی رعیت کی طرف حکم نامہ بھیجے جس میں اس کی طرف سے بہت سے دوسرے نوشتہ

نَسْخُ التِّلَاوَةِ فِی الْقُرْآنِ

(قرآن سے بعض آیات کی تلاوت کا منسوخ ہونا)

صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ایسی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی بعض ایسی آیات ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہیں۔ لیکن احکام باقی ہیں۔ چنانچہ بخاری میں حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ آیت رجم (وہ آیت جس میں زانی کو سنگسار کرنے کا حکم ہے) قرآن میں نازل ہوئی تھی۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ قرآن میں یہ دو آیات پڑھا کرتے تھے۔

(۱) لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ۔

اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں بھی ہوں جب بھی تو وہ تیسری کی تلاش کرے اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ فَتُكْتَبُ شَهَادَةً فِي أَعْنَاقِكُمْ فَتُسْأَلُونَ عَنْهَا

اے ایمان والو جو چیز تم کرتے نہیں اس سے آخر زبان سے کیوں نکالتے ہو؟ کیونکہ تمہاری گردنوں میں شہادت لکھدی جاتی ہے۔ پس

اس بارے میں جو شبہ بیان کیا جاتا ہے وہ ہرگز ایسا قوی نہیں ہے کہ نسخ کے ہونے میں مانع ہو۔ قرآن کی ہر آیت جس میں کوئی طلبی یا خبری حکم ہو اس کا نازل ہونا دو امور پر مشتمل ہوتا ہے اس حکم کا موجود ہونا اور اس حکم کا قرآن میں موجود ہونا جیسے پڑھا جائے اور جس کی تلاوت ہو اب غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اس حکم کی تلاوت منسوخ ہو جائے تو اس سے پہلی صورت کا باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہو جاتا۔ تمام احکام محض قرآن ہی میں نہیں ہیں بلکہ قرآن اور حدیث دونوں میں ہیں۔ قرآن کی جس آیت کی تلاوت منسوخ ہو جائے اس کا حکم صحیح حدیث کا حکم ہو اور جس طرح حدیث اپنے حکم پر دلالت کرتی (بتلاتی) ہے اسی طرح وہ آیت بھی قرآن سے علیحدہ ہونے کے باوجود اپنے حکم پر دلالت کرے گی۔ پس الفاظ منسوخ ہو جانا اور باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ بعض احکام اور خبریں قرآن سے حدیث کی طرف منتقل ہو گئیں۔ لہٰذا اس صورت میں "دال" بھی موجود رہتا ہے اور دلالت بھی۔ ایسا نہیں ہوتا کہ دلالت تو موجود رہے اور "دال" زائل ہو جائے۔ (جیسا کہ مخالفین کا خیال ہے) اس صورت میں دال زائل نہیں ہو جاتا بلکہ ایک قسم سے دوسری قسم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ صورت ہرگز اس کے ضائع ہونے کی نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ کے پاس دو قصیدے ہیں جن میں سے

ہوں اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ پیغام بھیجے کہ میں نے اس حکم نامہ کے الفاظ یعنی اوامر و نواہی کے الفاظ تو منسوخ کر دئے لیکن اس کے احکام اور اوامر و نواہی باقی رہیں گے۔ تو یہ ایک بے معنی، بے کار اور مضحکہ خیز چیز ہو گی۔ قرآن کی آیات کا منسوخ ہونا بھی اسی طرح کا ہے جس میں تلاوت منسوخ ہو جاتی ہے لیکن احکام باقی رہتے ہیں۔ بھلا اس میں کیا حکمت ہے؟ ایسا کرنا سراسر بے کار ہے اور اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ بندوں کو بعض اوامر و نواہی کا مکلف کر کے دھوکہ میں ڈال دیا جائے اور گمراہ کر دیا جائے۔

علاوہ ازیں قرآن کا ایک ایک لفظ متواتر طور پر آیا ہے، اس کے باوجود قرآن کو منسوخ کیسے کہا جائے گا۔ اگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن سے بعض چیزیں منسوخ ہو گئیں تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس میں سے بعض چیزیں ضائع ہو گئیں ——— جو صحیح نہیں ——— لہٰذا ناممکن ہے کہ تلاوت کے منسوخ ہونے کی احادیث صحیح ہوں۔ ضرور ان کے سندوں میں اور ان کے بیان کرنے میں کوئی نہ کوئی خرابی ہے۔

جواب:۔ نسخ تلاوت کے بارے میں احادیث اس کثرت سے ہیں اور اس قدر صحیح ہیں کہ ایک سمجھدار انسان انہیں جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ ایسا ہونا بعید از قیاس ہے کہ ان تمام احادیث کی قطعاً کوئی اصل نہ ہو۔

رہتا ہے معاملہ صرف یہ ہے کہ اسے قرآن سے کر حدیث میں داخل کر دیا جاتا ہے اسکی دلالت سلب نہیں ہو جاتی، اس لیے کہ جس طرح قرآن دلالت رکھتا ہے اسی طرح حدیث بھی رکھتی ہے۔ آخر اگر حدیث ہمیں کچھ نہ بتاتی تو ہم آیات کے منسوخ ہونے کو معلوم ہی کیسے کر سکتے تھے؟

مخالفین کا سوال ہے کہ آخر ایسا کرنے میں کیا فائدہ تھا؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا جواب ہم اوپر قصیدہ کی مثال سے دے چکے ہیں۔ اور بتا چکے ہیں کہ اس کا فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مخالفین کے پاس اس کے خالی از فائدہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ سوال غلط ہے اور اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو تمام احادیث قدسیہ پر اسے عاید کیا جا سکتا ہے۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ ان احادیث کو قرآن میں کیوں بیان نہ کیا گیا؟ اور انہیں قرآن سے علیحدہ رکھنے میں کون سا فائدہ تھا جبکہ یہ بھی اللہ کا کلام ہیں۔ اور قرآن بھی؟ بلکہ یہ سوال تمام احادیث نبویہ پر کیا جا سکتا ہے۔ کہ حدیث میں جو احکام آئے ہیں۔ جب کہ اللہ ہی نے انہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نازل اور وحی کیا تھا تو انہیں قرآن ہی میں کیوں نازل نہ کر دیا۔ اور انہیں مستقل ایک علیحدہ قسم کیوں بنایا۔

اب رہا مخالفین کا یہ اعتراض کہ اگر قرآن میں نسخ ہو سکتا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سے بعض چیزیں ضائع ہو گئیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو ہم کہتے

ایک زیادہ عمدہ ہے اور دوسرا کم۔ لہٰذا اگر آپ زیادہ عمدہ قصیدہ کے بعض اشعار کم عمدہ میں ڈال دیں تو اس سے وہ اشعار ختم نہیں ہو جاتے۔ اس میں اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ ایک جزء کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس سے منتقل ہونے والی چیز کی دلالت اور حکم بے کار اور رائگاں ہونا کیسے لازم آیا؟ اور نہ ہی ایسا کرنے میں کوئی نادانی اور بے عقلی ہے بلکہ ایسا کرنے سے بہت سے صحیح نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ بہت سے مطلوب فوائد اس طریقہ سے خود بخود ہاتھ آجاتے ہیں۔ ایسا کرنے میں کوئی چیز ضائع یا مشتبہ نہیں ہوتی اور کوئی ایسا خطرہ سر نہیں نکالتا جس کا اوپر کے شبہ میں اندیشہ کیا گیا ہے۔

یہ قسم احادیث قدسیہ کے مشابہ ہے جو اللہ کا وہ کلام ہے جو حدیث میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ "اللہ تعالےٰ نے یوں فرمایا" حدیث کی کتابوں میں ایسی احادیث بہت ہیں۔ لہٰذا احادیث قدسیہ اور قرآن کی نسخ شدہ آیات ایک ہی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور دونوں کے درمیان فرق صرف یہ ہے کہ پہلی قسم قرآن میں قطعاً داخل ہی نہیں کی گئی۔ اور دوسری کو داخل کر کے نکال دیا گیا۔

مخالفین کے اس قول کو ہم اوپر غلط قرار دے چکے ہیں کہ اس سے دلائل زائل ہو جاتے ہیں اور دلالت برقرار رہتی ہے بلکہ حقیقت میں دلالت کے ساتھ دلائل بھی برقرار

ہیں کہ یہ ایک نہایت ہی کمزور، بودا اور بے بنیاد اعتراض ہے اس لئے
قرآن کے محفوظ رہنے پر اس میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہونے اور اس
کے متواتر روایت ہونے پر اس قدر قوی براہین و دلائل موجود ہیں جو
نسخ تلاوت سے باطل نہیں ہو سکتے۔ ان براہین کے موجود ہوتے ہوئے
کوئی یہ دعوے کرے کہ نسخ تلاوت سے یہ براہین باطل ہو جاتے ہیں۔
وہ کھلی ہوئی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے "نسخ تلاوت" اور قرآن کے
بعض حصوں کے ضائع ہو جانے" میں کسی طرح کا ربط نہیں ہے۔

الغرض قرآن کی بعض آیات کی تلاوت کے منسوخ ہو جانے میں کوئی
ایسی چیز نہیں ہے جو حق اور دین کو نقصان پہنچانے والی ہو یا عقل و نظر
و قیاس اسے یا رد نہ کرتی ہو۔ بہت سی "اباب احادیث اس بارے
میں آچکی ہیں۔ لہٰذا اس کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔ منسوخ ہونے کا
فائدہ، اجمالی طور پر یہ ہے کہ احکام اور اوامر و نواہی کو قرآن میں نازل
کرنے سے وہ قوت اور عظمت و شان اور اہتمام و عنایت حاصل ہوتی ہے
جو حدیث میں وارد ہونے سے انہیں حاصل نہ ہوتی اور اس میں کسی کا
اختلاف نہیں۔ اب زمانہ کے نشیب و فراز سے مصلحت اس میں ہوتی
ہے کہ بعض اوامر و نواہی کو بعض اوقات قرآن میں لایا جائے اور بعض
اوقات حدیث میں۔ بعض اوامر و نواہی مطلقاً حدیث ہی میں ہوں،

احادیث التصویر

فوٹو کے متعلق احادیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت ایسی احادیث ثابت ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تصاویر سے منع فرمایا۔ اور مصورین کی نہایت ہی مذمت کی ہے اور انہیں اللہ کے غضب سے ڈرایا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الْمُصَوِّرُوْنَ (قیامت کے روز سب سے سخت عذاب مصوروں کو ہوگا) آپ نے فرمایا کہ قال اللہ تعالےٰ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَھَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّۃً اَوْ لِیَخْلُقُوْا شَعِیْرَۃً۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری طرح پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اچھا وہ ایک ذرہ اور جو کا ایک دانہ تو پیدا کر کے دکھائے۔ ——— آپ نے فرمایا مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً کُلِّفَ اَنْ یَّنْفُخَ فِیْھَا الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ۔ (جس نے کوئی تصویر (صورت) بنائی اسے مجبور کیا جائے گا کہ اس میں روح پھونکے حالانکہ وہ ایسا نہ کر سکے گا)

یہ احادیث صحاح ستہ میں ہیں جن کی صحت میں کسی کو اختلاف

معلم سوسائٹی کی تشکیل ہوئی اور ان خباثت و فواحش کا خاتمہ ہو گیا۔
یہ الفاظ رجم قرآن سے حدیث کی طرف منتقل کر دیے گئے۔ کیونکہ
نادر الوقوع مسائل قرآن کے بجائے حدیث میں زیادہ ملتے ہیں۔

نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کوئی تصویر، تمثال رہنے دیتے تھے بلکہ جب کوئی تصویر دیکھتے تو اسے پھاڑ ڈالتے، یہ عیب کر دیتے جب کبھی آپ کوئی ایسی چیز دیکھ پاتے نہایت غصہ ہوتے اور جس گھر میں کوئی ایسی چیز ہوتی اس میں داخل ہونے سے انکار کر دیتے دیکھا نہیں حدیث میں آیا ہے لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ۔ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر موجود ہو آپ نے تصویر بنانے والے کو سخت سزا دینے کی دھمکی دی ہے۔ تصویر خواہ مجسمہ ہو یا بلا مجسمہ کے ہو سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے۔ آپ کی احادیث، ارشادات، فرمودات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس بارے میں کوئی تفریق نہیں فرمائی بلکہ ہر تصویر سے منع فرمایا ہے۔ اور جیسا کہ آپ بھی سمجھ گئے ہوں گے حکم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کوئی تفریق نہ ہو۔

تصاویر کے بارے میں اشکالات کی وجہ اور لوگوں کے ذہن میں اس کی اہمیت

دراصل ان احادیث کو جب صدر اول کے مسلمان پڑھتے تھے تو ان کے لیے ان پر عمل کرنا آسان تھا۔ انہوں نے ان پر عمل کیا اور اس میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کی اور نہ انہیں کوئی اشکال دیر پیش ہوا۔ لیکن آج کل جب کہ موجودہ تہذیب و تمدن، فیشن پرستی اور تہذیب، اپنے علوم و فنون اور لٹریچر

تصویر پر ریجھ جاتے ہیں۔ خواہ وہ کاغذ پر ہو یا ان کے خیال میں مجھے یقین ہے کہ ہم صواب کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔ اگر کہیں کہ آج اس ملک میں جو ہمیں اخلاق کی تباہی و بربادی اور انحطاط و پستی نظر آرہی ہے اور ہم جو لوگوں کو دین اور فضیلت کو خیرباد کہتے دیکھ رہے ہیں اس کے دیگر اسباب میں سے سب سے بڑا سبب (.....) بھی برہنہ اور فحش تصاویر ہیں؟ ہم غلطی نہ کریں گے اگر خیال کریں کہ آج میاں بیوی کے درمیان ہر بڑے اور چھوٹے گھر میں جو کشمکش برپا ہے اس کا سبب بھی یہی برہنہ تصویریں ہیں۔

پس جو شخص اس قسم کی تصاویر کو جائز قرار دیتا ہے وہ گویا دین، اخلاق اور وطن پر بہت بڑا ظلم کر رہا ہے۔ اسی طرح جو شخص ان تصاویر کو حرام قرار دیتا ہے جن سے طب اور دوسرے علوم سے مدد ملتی ہے وہ وطن اور علوم بلکہ دین کو سخت نقصان پہنچا رہا ہے۔ اور لوگوں کو اس چیز سے متنفر کرنے اور ان کے سامنے اسے تنگ نظر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

لہٰذا تصویر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حرام دوسری حلال۔ ایک ضرر رساں دوسری نفع بخش۔ اسی طرح مصوروں کے دو گروہ ہیں۔ ایک فتنہ بپا کرنے والے اور دوسرے احسان کرنے والے۔ احادیث میں پہلی قسم ہی کا

لٹ رہا ہو اور وہ فقر و فاقہ کے ہاتھوں تباہ ہو رہی ہو۔ اور چاہے فتنہ انگیز برہنہ عورتوں کی تصویریں ہوں۔ جو اخلاق و آبرو کے محل کو یکسر منہدم کر رہی ہوں۔ اور فضائل کو بے رحمی و بے دردی سے ذبح کر رہی ہوں۔ یہ رخ لادینی، بے مذہبی اور حرام کو حلال کرنے کا ہے۔ حق دونوں طرف پامال ہو رہا ہے۔ اور وہ دونوں سے نجات حاصل کرنے کے لیئے اہل اعتدال و انصاف کو پکار رہا ہے۔

مسئلۂ تصویر میں اعتدال کی راہ | یہ ایک کھلی ہوئی۔ بے انصافی ہوگی کہ اگر ہم تصویروں کو جائز قرار دے دیں جو سونے اور چاندی کے ستونوں پر نصب ہیں۔ اور جو ملک کے مال و دولت کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ حالانکہ ملک میں مسکین اور غریب رعایا بھوک اور برہنگی سے آہ و زاری کر رہی ہوتی ہے اور اس کی زبان سے نالہ و فغاں نکل رہے ہوتے ہیں۔ ان تصاویر سے کوئی بھی ایسا فائدہ نہیں ہے جسے سمجھا اور محسوس کیا جا سکتا ہو ——— نہ فرد کے لیئے اور نہ جماعت کے لیئے ——— مذہب اور اخلاق پر دست درازی ہوگی اگر ان برہنہ اور فحش تصاویر کو جائز قرار دے دیا جائے اور نوجوانی کے نشہ میں بدمست کنواری لڑکیاں اور نوجوان لڑکے ان تصاویر کی آپس میں ایک دوسرے کو دکھائیں۔ اور اس طرح وہ اپنی آنکھوں کی پیاس کو سرد کریں۔ جو ہر حسین و جمیل

[illegible]

[illegible]

مراد لی گئی ہے ۔۔۔ کسی قسم سے منع کیا گیا ہے کیونکہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ۔۔۔ ایک عرب میں تصویروں کی بھی قد
نہ تھی ۔ لہٰذا اسی کی مناسبت سے احادیث بیان کی گئی ہیں ۔ د
قسم آج اطبا اور ہوم سائنس میں موجود ہے ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ
سے ۔۔۔ ہے ۔ ۔۔۔ ہذا احادیث کی ممانعت کا اطلا
ن نہیں ہو سکتا ۔ اس قسم کی تصاویر کی طرف سورہ سبا کی اس آیت میں اشا
کیا گیا ہے جس میں سلیمان کا ذکر ہے ۔

یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ	اور وہ جن سلیمان کا سر و کام کرتے تھے
مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ	جو وہ چاہتا شاہی محرابیں تصویریں
كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (پ ۲۲)	لگن جیسے حوض اور ایک جگہ بنے ہوئے دیگیں

بس اعتدال کی راہ جس سے احادیث اور عقلی تقاضوں کے درمیان
تطبیق ہو جاتی ہے یہ ہے کہ فساد انگیز اور ضرر رساں تصویر تو حرام ہے
اور کسی طرح جائز و حلال نہیں ۔ احادیث صحیحہ میں اس سے ممانعت کی
گئی ہے ۔ لیکن تعلیم اور طب و علوم میں استعمال ہونے والی تصاویر حرام
نہیں ہیں ۔ اور احادیث نے جس تصویر کو حرام قرار دیا ہے اور جس پر سخت
وعید بتلائی ہے اس سے مراد یہ تصاویر نہیں ہیں ۔ بلکہ اوپر والی آیت
میں ان ہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

کا حکم دیتے تھے۔ پھر یہ بھی دھیان رہے کہ اس زمانہ میں ملک عجم میں اکثر غیر متمدن تصاویر پوجی جاتی تھیں۔ لیکن آنحضرت نے انہیں حرام قرار دیا۔ جب آپ نے تصویروں کو حرام قرار دیا تو سب سے پہلے اس کا اطلاق ان تصاویر پر ہوگا جو اس وقت عرب کے معاشرہ میں موجود تھیں کیونکہ احکام حلت و حرمت کے اوّل مخاطب یہی لوگ تھے۔

کہ میدان میں نصب کی جانے والی تصاویر کا جسم پیتل یا پتھر ہوتا ہے لہٰذا مجسم اور غیر مجسم کی تفریق کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ خود تصاویر کے حرام ہونے کی جو وجہ یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ اس تفریق کو باطل کر دیتی ہے۔ وہ کہتے ہیں شریعت نے تصاویر کو اس لئے حرام قرار دیا ہے کہ لوگوں میں فتنہ نہ پھیل جائے۔ اور وہ آہستہ آہستہ بتوں کی طرح ان کی پوجا شروع نہ کر دیں۔ کیونکہ تصاویر ہی زیادہ تر اس کی پوجا پاٹ کا موجب بنتی رہی ہیں" ——— یہ ہے وہ چیز جس کا انہوں نے اندیشہ کیا لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہی چیز مطلق ہر تصویر میں پائی جاتی ہے خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم۔ اس چیز میں کسے اختلاف ہے جو فرشتوں یا عیسےٰ ابن مریمؑ اور دوسرے اولیاء صالحین مثلاً امام شافعیؒ وغیرہ کی تصاویر سے ان کے خالی عقیدتمندوں میں پیدا ہو رہی ہے؟ ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ حسین عورت کی برہنہ تصویر اور فوجی سپاہیوں اور جرنیلوں کی تصاویر میں کسی فتنہ کا احتمال نہیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ تمام احادیث ہر اس چیز کو حرام قرار دیتی ہیں جس کا نام یہ لوگ غیر مجسم تصویر لیتے ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملک عرب میں تصویروں والے کپڑوں وغیرہ کی درآمد ہوتی تھی۔ لیکن آنحضورؐ ان کپڑوں سے مٹانے اور پھاڑ ڈالنے

ہے اس کے علاوہ امام مسلم اور دیگر محدثین بھی اسے روایت کرتے ہیں۔ اور ہر صاحب فہم اس واقعہ کی اس قدر تحقیق چاہے گا اس شہرت کی معمولی مقدار بھی اس بات کا یقین ثبوت ہے کہ مزاج ان متواترات میں سے ہے جہاں اختلاف اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید بھی اس واقعہ کو واشگاف الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ	قسم ہے تارے کی جب کہ وہ گرتا ہے
صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا	آپ سے ساتھی کے نہ گم راہ ہوئے ہیں اور
يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ	نہ غلط راہ پر ہیں۔ اور نہ وہ اپنی
إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۔ عَلَّمَهُ	خواہش سے بولتے ہیں۔ یہ تو
شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ وَاسْتَوَىٰ	بولتا ہے جو کچھ بولتا ہے وہ خدا کی طرف
بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ	سے اترا ہوا وحی ہوتا ہے اسے
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ	سخت قوت والے زبردست نے تعلیم
فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ مَا	دی ہے۔ جس سے وہ تیار ہوگیا جبکہ
كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ أَفَتُمَارُونَهُ	وہ بلند کنارے پر تھا۔ پھر قریب ہوا
عَلَىٰ مَا يَرَىٰ وَلَقَدْ رَآهُ	اور لٹک آیا پھر وہ کیا فرق دونوں کے برابر یا اس
أُخْرَىٰ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ	سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے
عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ إِذْ يَغْشَى	پہنچیں کہا دل نے جو دیکھا اب تم کیا اس سے جھگڑتے
	ہو اس پر جو اس نے دیکھا اور اس

احادیث المعراج

(معراج کی احادیث)

متعدد صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کی طرف ہجرت سے پیشتر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات آسمانوں کی معراج کرائی گئی۔ آپ اللہ رب العالمین کے قریب ہوئے اور اس قدر نزدیک پہنچ گئے کہ صرف دو قوس (کمان) کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بہت سے احکام اور حکمت کی باتیں وحی فرمائیں۔ آپ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ آپ نے تمام انبیا کو دیکھا اور بہت سی ایسی حیرت انگیز نشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔ جو اللہ رب العالمین کے سوا ہر ایک کے دائرۂ علم سے خارج ہیں۔ یہ تمام واقعات ایک ہی رات میں واقع ہوئے۔ اس کے بعد آپ اسی رات مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ اور صبح کو آپ لوگوں سے اپنے واقعات بیان فرمانے لگے۔ جس سے بعض نے آپ کی تصدیق کی اور بعض نے تکذیب۔

واقعہ معراج کو علماء اسلام سے سب سے بڑے عالم (امام بخاری) نے قرآن مجید کے بعد سب سے صحیح کتاب (بخاری) میں روایت کیا

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا (بنی اسرائیل)

سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔

کیا وجہ ہے کہ اس آیت میں اسراء ہی کو بیان کیا گیا ہے اور معراج کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ دونوں ایک ہی رات میں اور ایک ہی طریقہ سے یکے بعد دیگرے واقع ہوئے تھے۔ اس سوال کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ "معراج" تھا ہی نہیں، یہ کہ اسراء ایک رات میں تھا اور معراج دوسری میں۔ اور یہ جواب سراسر احادیث کے خلاف ہے۔

(۲) ——— معراج کی احادیث میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے حتیٰ کہ صحیح احادیث بھی اس اختلاف سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ ان میں آسمان پر انبیاء کے نازل کے متعلق اختلاف ہے، اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا آنحضور کے بیداری کی حالت میں معراج فرمایا یا یہ محض آپ کا خواب تھا۔ اور آیا معراج اور اسراء ایک ہی رات میں تھے یا دو مختلف راتوں میں، اور کیا معراج روح اور جسم دونوں کے ساتھ تھا یا محض روح کے ساتھ؟ الغرض معراج کے بہت سے امور میں بہت سا اختلاف موجود ہے جب اختلاف زیادہ ہو جائے تو روایات کو سرے سے

السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۔ مَا زَاغَ	دیکھا ہے اوتار میں پرلی حد کی بیری پاس اس کے
الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ	اس ہے بہشت رہنے کی جب چھا رہا تھا اس
اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ... (النجم)	بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا۔ نہیں نگاہ اس کی بہکی نہیں بڑھی بے محل دیکھا اس نے اپنے رب کے بڑے بڑے

پس معراج قرآن سے بھی ثابت ہے اور متواتر احادیث سے بھی۔ لہذا اس کا شمار دینی یقینیات میں ہوگا۔ یہ تو ان تمام واقعات کا اجمال تھا۔ جو اس عظیم الشان رات میں واقع ہوئے۔ اس جگہ ان کی تفصیل نہیں بتائی گئی۔ لیکن ان تمام واقعات کو حدیث نہایت وضاحت اور شرح و بسط سے بیان کرتی ہے۔

بعض مادہ پرستوں نے اور ان کی تقلید کرنے والے بعض مسلمانوں نے معراج کی احادیث کو "مشکل" قرار دے کر ان کا انکار کیا ہے۔ اور مندرجہ ذیل سات شبہات ان کے متعلق بیان کئے ہیں۔

(۱) ——— احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسراء اور معراج دونوں ایک ہی رات میں تھے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں محض اسراء ہی کا تذکرہ کیا ہے اور معراج کا تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ بلا شبہ معراج کی شان اسراء سے زیادہ ہے۔ فرمایا

سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ	پاک و بے عیب ہے وہ ذات جس نے
لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى	اپنے بندے کو ایک ہی رات میں مسجد الحرام

پڑھ سکے قبول کیا جائے۔ اور کون سی حدیث صحیح ہے؟

علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب بیل، خچر کو دیکھا حالانکہ دونوں دنیا میں پر موجود ہیں لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے؟

اس کے علاوہ آنحضرت نے ساتوں آسمان اور کائنات کی ہر چیز میں خوبصورت اور بڑے کو آسمان پر آدم سے ابراہیم تک دیکھا، وہ ہمیں کہاں دیکھ سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا	جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا
وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ	اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے
السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی	دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ
یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ وَکَذٰلِكَ	اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے
نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ (الاعراف ۔ ۵۰)	اور اسی طرح ہم مجرموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

تب اس صورت میں حدیث کو قبول کیا جائے گا جبکہ وہ قرآن کی مخالفت نہ کرتی ہو، جبکہ یہ روحیں دیکھی جا سکتی ہیں اور کیا ان کا آنکھ سے ادراک ممکن ہے؟

علاوہ بریں روایات میں یہ بھی ہے کہ معراج سے پہلے فرشتوں نے آنحضور کا سینہ مبارک چاک کیا اور اس میں سے شیطانی حصہ کو نکال کر اس

نظر انداز کر دینا ہی مناسب ہوتا ہے۔

(۳) ـــــ معراج کی احادیث میں بعض ایسی چیزیں ہیں جن کا صحیح ہونا قطعاً محال ہے مثلاً ان میں ہے کہ حضور نے بیت المقدس میں انبیاء کی امامت بھی کرائی اور پھر انہیں آسمان پر بھی دیکھا۔ نیز موسےٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا یہ بعینہٖ ایسا نہیں ہے کہ ایک ہی شخص آٹھ جسم رکھتا ہو جن میں سے ایک ایک جگہ موجود ہو۔ دوسرا دوسری، تیسرا تیسری جگہ؟ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ اس رات انبیاء ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے تھے۔ پہلے سے حضور نے انہیں زمین پر دیکھا اور پھر انہیں آسمان پر لے جایا گیا۔ جہاں حضور نے انہیں دوبارہ دیکھا۔ اسی طرح موسیٰؑ کی نماز کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا کیسے ممکن تھا؟ کیا اس رات اللہ تعالےٰ نے انہیں زندہ کر دیا تھا؟ یا انبیاء زندہ ہیں۔ اور انہیں موت نہیں آتی؟ ہمیں امید ہے کہ تم اس کے قائل نہیں ہو۔ کیونکہ قرآن و حدیث سے صاف اس کی تردید ہوتی ہے چنانچہ صحیح روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُہٗ" یعنی جب ابن آدم پر موت آ چکتی ہے تو اس کا عمل کٹ جاتا ہے" ـــــ لہٰذا انبیاء کا بیت المقدس میں اور موسیٰؑ کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس حدیث کے کھلم کھلا خلاف ہے۔ اب بتاؤ کہ دونوں

(۷) ——— احادیث کہتی ہیں کہ یہ معراج ایک ہی رات کو ہوا تھا
۔ لہٰذا یہ [illegible] اوقات سے [illegible] سوچئے تو [illegible]
درمیان [illegible] سے [illegible] ہو سکتی [illegible] ۔

یہ ہیں ان لوگوں کے معراج کے متعلق شبہات۔ [illegible] ان میں
سے اکثر شبہات ان لوگوں کے پیدا کردہ ہیں [illegible]
ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ شبہات [illegible]
[illegible] سکتے ہیں۔ اور [illegible]
مندرجہ بالا شبہات کا ازالہ۔ [illegible] ——— [illegible] کے [illegible]

اختلاف ہے کہ آیا معراج [illegible]
یا دو مختلف [illegible]
[illegible] وہ دلائل پیش کئے ہیں [illegible] بعض روایات [illegible] سے
معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] اور معراج دونوں ایک ہی رات [illegible] ۔ [illegible]
ایسی بھی ہیں جن سے ان دونوں کا [illegible]
[illegible] کے مطابق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا لیکن پہلی صورت [illegible] اس کا
جواب یہ ہے کہ اس میں [illegible] صاحبین کی یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ جب آنحضور مشرکین کے پاس [illegible]
معراج دونوں کے واقعات بیان فرمائیں گے تو وہ ان کا انکار کریں گے

میں حکمت و ایمان بھر دیا۔ یہ سارا سفر ایک عجیب و غریب، نادر اور انوکھی چیز ہے جسے کسی عقلمند کی عقل قبول نہیں کر سکتی۔

ان تمام امور سے معراج کی روایات منگھڑت ثابت ہوتی ہیں۔ کیوں کہ روایت کے بھیڑ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ روایت کو اس چیز پر محمول کیا جائے جسے عقل نہ مانتی ہو۔

(۴) ——— کرۂ ہوائی زمین پر صرف چند میل پایا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد قطعاً ہوا نہیں ہے۔ اور ہوا زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی حیوان یا انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ جب تک اس کے پھیپھڑے ہوا سے بھرے ہوئے نہ ہوں اس کا زندہ رہنا ناممکنات میں سے ہے لہٰذا اگر آنحضور کو واقعی ہوا کے اوپر معراج ہوا تھا تو آپ کا زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔

(۵) ——— احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ہم جانتے ہیں کہ آسمان اپنے اندر کوئی دروازہ ہی نہیں رکھتا جسے کھولا اور بند کیا جا سکے۔

(۶) روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آسمانوں کی تعداد سات ہے اور یہ کہ یہ آسمان ان نجوم کے علاوہ ہیں جن سے نجومی لوگ واقف ہیں اور یہ سب کچھ غلط ہے۔

وجہ ہے کہ بہت سے مصنفین معراج کو اسراء کے باب میں ذکر کرتے ہیں۔ اور یہی اسلوب قرآن کی اس آیت کا بھی ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ——— اس آیت میں قابل غور چیز یہ ہے کہ اسرا کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے۔ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (تاکہ ہم رسول کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں) ظاہر ہے کہ ان نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جنہیں آپ نے معراج میں دیکھا۔ گویا اس آیت میں بھی معراج کی نشانیوں اور عجائبات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ اس کا تذکرہ صریح الفاظ ہی میں ہو۔ اس کے علاوہ سورہ نجم میں معراج کا ذکر صاف صاف بھی ہوا ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے گویا اسرا کا ذکر ایک سورت میں اور معراج کا ذکر دوسری سورت میں ہوا ہے اور اس میں کوئی انوکھی اور عجیب چیز نہیں ہے۔

۲ ——— اگر معراج کی نوعیت میں اختلاف ہے تو یہ اختلاف اس پر مجتمع ہیں کہ معراج واقع ہوئی ہے۔ اختلاف صرف معراج کی بعض تفصیلات میں ہے جیسا کہ ہم پہلے انشقاق قمر اور دجال کی

اور ان کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ نے ان واقعات کو بیان کیا۔ اسراء کے متعلق تو یہ تھا کہ جب مشرکین آپ کو جھوٹا کہتے تو آپ اپنے آپ کو بیت المقدس کا ذکر کر کے اور بعد کے قصے کے حالات بیان کر کے سچا قرار دیتے اور اس طرح ان پر غالب ہوتے (اور واقعۃً ہوا بھی ایسا ہی تھا۔) باقی رہا معراج تو بتایئے کہ آپ کے پاس کونسی وہ ایسی چیز تھی۔ کہ جب مشرکین آپ کو جھوٹا قرار دیتے تو اس سے انہیں جھوٹا اور اپنے آپ کو سچا قرار دیتے؟ اگر آپ آسمان و زمان پر دیکھی ہوئی چیزوں کو بیان فرماتے تو اس سے مخالفین مطمئن نہ ہو سکتے تھے۔ اور نہ ہی آپ ان پر غالب آ سکتے تھے۔ کیونکہ انہیں قطعاً معلوم ہی نہ تھا کہ وہاں ہے کیا؟ لہٰذا اس میں اللہ رب العالمین کی گہری حکمت تھی کہ اس نے سورۃ بنی اسرائیل ـــــ جو ان پر تلاوت ہوتی تھی ـــــ میں معراج کے بغیر صرف اسراء ہی کا ذکر کیا۔

پھر یہ بھی خیال رہے کہ اس قول کے مطابق کہ اسراء و معراج دونوں ایک ہی رات میں ہوئے تھے یہ بیت المقدس تک اسراء و معراج کا مقدمہ اور پیش خیمہ تھا۔ اس صورت میں بھی مناسب تھا کہ معراج کے بغیر محض اسراء ہی کا ذکر کیا جائے۔ اس لئے کہ جب اسراء معلوم ہو گا تو اس کے بعد کا واقعہ یعنی معراج خود بخود سمجھ میں آ جائے گا۔ یہی

دلچسپی ہی تفصیلات میں اختلاف کا موجب ہو جاتی ہے۔

۵ ——— معراج کی جن تفصیلات کی نسبت مخالفین کہتے ہیں کہ ان کا صحیح ہونا ممکن نہیں ہے ان کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو ان کا ہونا محال ہے۔ یا ممکن۔ اگر ان کا ہونا محال ہے تو محض ان چیزوں کی خبر دینے والے جھوٹے ہوں گے۔ نہ کہ معراج کی تمام باقی احادیث بھی۔ ایک ہی حادثہ میں سچ اور جھوٹ، ممکن اور غیر ممکن کے واقع ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی مثال کے طور پر مشہور ہے کہ حاتم طائی سخی تھا۔ عنترہ بہادر و تنگجو تھا۔ اور قیس بن ملوح عاشق تھا۔ ان کے متعلق جو خبریں مشہور ہیں ان میں سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی ممکن بھی ہے اور غیر ممکن بھی۔ لیکن ان کا جھوٹ یہ تقاضا نہیں کرتا کہ ان کے سچ کو بھی جھوٹ مان لیا جائے اور نہ ہی ان کے سچ کا یہ تقاضا ہے کہ ان کے جھوٹ کو بھی سچ قرار دے لیا جائے حاتم طائی کی سخاوت کے متعلق خبریں متواتر ہیں۔ لیکن ان میں بعض ایسی مبالغہ آمیز چیزیں شامل ہو گئی ہیں جنہیں عقل قبول نہیں کر سکتی لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان چیزوں کی بنا پر حاتم طائی کے مطلق سخی ہونے کا انکار کر دیا جائے۔ بلکہ اسے سخی مانا جائے گا اگر نہیں مانا جائے گا تو ان چیزوں کو نہیں مانا جائے گا جو اس کی سخاوت کے بارے میں مبالغہ آمیز ہیں۔ اسی طرح عنترہ کے بہادر اور قیس کے عاشق ہونے کو تو تسلیم کیا جائے گا

احادیث میں بتا چکے ہیں۔ کہ ہر عظیم الشان اور اہم واقعہ کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کے تفصیلی بیان میں اختلاف ہو اور جس قدر وہ واقعہ زیادہ عظمت والا ہوگا اسی قدر اس میں اختلاف زیادہ ہوگا لیکن اس اختلاف سے واقعہ میں کوئی نقص نہیں آتا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرشتوں، جنت، دوزخ حساب و کتاب اور عذاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال میں بہت سے اختلافات موجود ہیں۔ اور تاریخ کی کوئی اہم شخصیت ایسی نہیں جس میں اختلاف نہ ہو۔ تو کیا اس اختلاف سے ان کے وجود سے انکار کر دیا جائے گا۔ اسی طرح معراج کی احادیث بھی ہیں۔ معراج کی بعض تفصیلات میں اختلاف معراج کے نہ ہونے کی ہرگز دلیل نہیں ہے۔ اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے۔

اس جگہ ہم معراج کی بعض روایات کو دوسری روایات پر ترجیح دینا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس باب میں ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف معراج کو ثابت کرنا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو ایسے اہم مسائل مثلاً معراج، دجال اور قیامت کے حالات میں تطبیق دینے کی کوشش کرتا۔ ہماری رائے میں امر محال اور ناممکن کا ارادہ کرتا ہے۔ کیونکہ ان واقعات کی انتہائی شہرت عام روایت اور گہری

اب ہم ان امور کا ایک ایک کے جواب دینگے اس لیئے نہیں کہ انکے اشکال سے معراج میں نقص آتا ہے بلکہ صرف اس لیئے کہ ان لوگوں کے نزدیک یہ امور بذات خود مشکل ہیں اور ہماری یہ کتاب مشکلات کو رفع کرنے کے لیئے ہے۔

(۱) ——— نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کو پہلے بیت المقدس میں پھر آسمان پر دیکھنا ——— اس بارے میں کئی ایک تفاسیر ہیں جن میں سے ہر ایک صحیح ہے۔

اولاً ——— ہو سکتا ہے کہ جن شخصیتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا وہ انبیاء کی روحیں ہوں جنہیں آپ نے پہلے بیت المقدس میں دیکھا۔ اور پھر انہیں آسمان کی طرف لے جایا گیا ہو۔ اور وہاں آنحضور نے انہیں دیکھا ہو۔ روحوں کے بارے میں مفصل گفتگو ہم احادیث عذاب قبر میں کر چکے ہیں۔

ثانیاً ——— ممکن ہے کہ اللہ رب العالمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر انبیاء کی شخصیتوں کو دوبارہ پیدا کر دیا ہو۔ جس سے ایک بلیغ حکمت کی بنا پر آپ نے انہیں زمین اور آسمان میں دیکھا ہو۔

ثالثاً ——— ہو سکتا ہے کہ انبیاء کو تمثیلی طور سے آنحضرت کو دکھایا گیا ہو۔ اور آپ نے ان سے بات چیت کی ہو۔

یہ تین تفاسیر ایسی ہیں جن کے نظائر اللہ تعالیٰ کے افعال اور

لیکن ان چیزوں کو قبول نہیں کیا جائے گا جن میں ان کے عشق اور بہادری کے تعلق مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس طرح جملہ مشہور لوگوں کی خبریں اور بعض بڑے حادثات میں بعض ایسی "بالفہ آمیز چیزیں واقع ہوئی ہیں جنہیں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات، ان کے پیروؤں کی کرامات اور جنت و دوزخ اور مابعد الموت کے حالات میں بھی بہت سی ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں لیکن ان سے ان کے مطلق حق ہونے میں کوئی نقص نہیں آتا۔ اسی کی مثال معراج کی احادیث ہیں۔ جبکہ ہم یہ فرض کریں کہ اس میں بعض ایسی چیزیں واقع ہوئی ہیں جن کا ہونا ممکن نہیں۔ اس صورت میں صرف انہیں چیزوں کا رد کرنا لازمی ہے کہ ان کا معاملہ اصل معراج سے فروتر ہے۔

یہ تو اس صورت میں تھا جب کہ ہم ان چیزوں کے ہونے کو غیر ممکن فرض کریں۔ اب رہی دوسری صورت یعنی یہ کہ ان چیزوں کا واقع ہونا ممکن ہے تو اس صورت میں مخالفین کا شبہ یکسر باطل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ شبہ ہر مفروضہ صورت کے لحاظ سے معراج میں کوئی نقص نہیں ڈالتا۔

پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ جن امور کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں وہ امور اسرار میں بھی واقع ہوئے ہیں تو کیا یہ لوگ اسراء کا انکار کریں گے حالانکہ اسراء قرآن میں مذکور ہے؟

نظام کو خود بخود پیدا ہو جانے والا قرار دیتے ہیں۔ اور مومن اسے خدا
..... کے پیدا کردہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اسراء و معراج کی روایات
میں جو کچھ دیکھنے، سنا اور واقعات پیش آئے وہ سب دراصل خوارق و عجائب
تھے۔ اس رات جو کچھ ہوا وہ خدا کا عام طور پر چلنے والا دستور نہ تھا۔ اس
میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں کثرت سے صحیح طور پر روایت
ہے کہ بعض پتھر، درخت، جمادات اور حیوان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
گفتگو کرتے تھے۔ اور آپ ان کی گفتگو کو سمجھتے تھے۔ اس کے معنی یہ نہیں
ہیں کہ گفتگو کرنا ان درختوں اور پتھروں کا عام دستور ہے بلکہ یہ سب چیزیں
اس کائنات کے پیدا کرنے والی حکیم و علیم ہستی کے خوارق تھیں۔ پس جو
لوگ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء بالکل اسی طرح زندہ ہیں اور دنیوی زندگی رکھتے
ہیں، جیسا کہ مرنے سے پہلے زندگی رکھتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اسراء
و معراج کی رات بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی" ——— انہیں اپنے
اس بیان کو بہت غور سے پڑھنا چاہیئے۔ یہ لوگ تو یہاں تک کہہ بیٹھے
ہیں کہ انبیاء مرنے کے بعد دنیا کی زندگی سے .. .. ..
زیادہ کامل زندگی اور تصرف رکھتے ہیں ——— ہر سہ امر لغو و باطل
ہے۔ ورنہ اس صورت میں موت کے کیا معنی ہو جاتے ہیں۔ [illegible] کی
رائے کے مطابق تو موت ہے ہی نہیں۔ حالانکہ ایسا کہنا اصول دین

موجودہ زمانہ کے علوم میں ملتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایک وقت ایک ہی ذات دو جگہ موجود ہو۔ ہرگز نہیں۔

(ب) خدا کی عام سنت جس کا تمام بنی نوع انسان پر اطلاق ہوتا ہے یہ ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں جیسا کہ آنحضور نے خود فرمایا "اذا مات ابن آدم انقطع عملہ"۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالےٰ بعض خوارق (ایسے انوکھے اور عجیب و غریب امور جو عام دستور سے علیحدہ ہوں) پیدا کرتا ہے جو یا تو انبیاء کے معجزات کی شکل میں ہوتے رہیں۔ یا اولیاء کرام کی کرامات کی صورت میں جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بہت سے انبیاء کو مختلف موقعوں پر مختلف معجزات عطا فرمائے لیکن یہ معجزات، کرامات اور خوارق اللہ تعالےٰ کی عام سنت نہیں ہیں۔ جو قدرتی طور پر ہر شخص میں پائے جاتے ہوں لہٰذا جو حدیث ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں" اس کا منشا دراصل اللہ تعالےٰ کی عام سنت کو بتانا ہے۔ باقی رہا انبیاء کا اسراء و معراج کی رات نماز پڑھنا تو دراصل اس کا تعلق خوارق و معجزات کی قسم سے تھا۔ خوارق پر ہر شخص کا ایمان ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن۔ لیکن فرق صرف یہ ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ یہ خوارق طبیعت (کائنات) میں خود بخود ہی کسی ارادہ کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ وہ کائنات کے

کیونکہ موت کے بعد مومنین کی روحوں کو تو آسمان پر لے جایا جاتا ہے اور کافروں کی روحوں کو اسفل سافلین میں کہ جہنم ہے۔ یہ ہے آیت کا مطلب۔ اس سے قطعاً اس چیز کی نفی نہیں ہوتی۔ کہ ان کی روحوں کو کسی مصلحت کی بنا پر ایک دن آسمان پر لے جایا جائے۔

علاوہ بریں "دروازہ کھولے جانے" کے محاورہ سے رحمت، قبول اور تقرب مراد لیا جاتا ہے۔ اور "دروازہ بند ہو جانے" کا مطلب دوری غیظ، غضب اور دھتکارا جانا سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر عربی زبان میں کہتے ہیں۔ هٰذَا دُعَاءٌ تُفْتَحُ لَهُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ (یہ ایسی دعا ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے) هٰذَا عَمَلٌ تُغْلَقُ دُوْنَهُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ (یہ ایسا عمل ہے جس پر آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں) اپنی مثال کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمائے گا اور اس سے خوش ہوگا اور دوسری مثال کا مطلب یہ ہے کہ یہ عمل صحیح نہیں ہے لہٰذا رد کر دیا جائے گا۔ اسی طرح آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا سے دور ہوں گے اور ان پر اس کا غیظ و غضب ہوگا۔ ایک اہل زبان خالص عربی دان کہتا ہے۔ لَا تُفَتَّحُ لِفُلَانٍ اَبْوَابُ الْمُلُوْكِ (فلاں آدمی کے لئے بادشاہوں کے دروازے

عقل سلیم اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

(ج) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیل اور فرات کو آسمان میں دیکھا حالانکہ یہ دونوں دریا زمین میں موجود ہیں۔ اس کے متعلق مفصل بحث گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

(د) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم علیہ السلام کے گرد کافروں اور مومنوں کی اولاد کو دیکھا حالانکہ آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ (کافروں پر آسمان کے دروازے کھولے نہ جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے) اس کے خلاف ہے۔

اس جگہ آیت کا منشاء دراصل اور ہے اور حدیث کا اور۔ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ کافر جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ چنانچہ اگلی آیت یعنی وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ اس کی تفسیر ہے۔ اس کے برعکس حدیث یہ بتاتی ہے کہ کافروں کی روحوں کو کچھ وقت کے لئے کسی حکمت کی بنا پر معراج کی رات آسمان پر لے جایا گیا۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضورؐ کو کافروں کی روحوں کی تمثیل دکھائی گئی ہو۔ اور آپ نے ان کی تمثیل کو دیکھا ہو نہ کہ بعینہٖ ان ہی کو۔

علاوہ ازیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کو مومنوں جیسی شان و شوکت اور عزت افزائی کے ساتھ آسمان پر نہ لے جایا جائے گا۔

پاس آدمیوں کی شکل میں آتی ہیں۔ اور وہ انہیں محسوس کرتے ہیں۔ یہ چیز اسلام کے بہت سے علما سلف کے آثار کے موافق ہے۔

(۵) فرشتوں کا آنحضورؐ کے سینہ مبارک کو چاک کرنا۔

یہ خبر بھی برحق ہے اور اس میں سے کسی چیز کو بھی عقل و درایت سے غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ آج ہم بہت سے جراحوں کو دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات اعضاء کو اس طرح چیرتے اور پھاڑتے اور پھر انہیں جوڑتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ہم اسی چیز کو حدیث میں سن کر اس کا انکار کر دیتے ہیں۔

(۶) ——— ہم یہ نہیں چاہتے کہ اپنے مخالفین سے اس طرح بحث کریں جس طرح مومنین کا ایک گروہ ایک دوسرے طریقہ سے بحث کرتا ہے جسے نہ ہم پسند کرتے ہیں اور نہ نظر اس کی اجازت دیتی ہے۔ اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ہم اس چیز کے دلائل پیش کرنے کی کوشش کریں کہ انسان کا گہوارۂ ہوائی کے اوپر جانا اور زندہ رہنا ایک ایسا امر ہے جو عالم طبعی کے مطابق ہے۔ ہی ہے تمام مخلوق اس سے واقف ہے اور وہ اپنے باب میں کوئی تعجب خیز چیز نہیں ہے گو ہم ایسا کریں گے تو گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گہوارۂ ہوائی سے اوپر جانے اور زندہ رہنے کو آپ کے معجزہ اور نبوت کی خصوصیات کے ادراک

کھولے نہ جائیں گے) ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص بادشاہ کا مقرب نہ ہوگا اسے ان کے نزدیک جاہ و حشمت کا مرتبہ حاصل نہ ہو گا۔ اور وہ اس کی تعظیم نہ کریں گے۔ اس کے برعکس عبارت اس کے برعکس معنی بتاتی ہے۔

پھر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کافر اپنے جسموں سمیت آسمان میں داخل نہ ہوں گے۔ اس کے برعکس معراج کی حدیث میں ہے کہ آنحضور نے محض ان کی روحوں کو دیکھا۔

(۲) کیا روحیں دکھائی دیتی ہیں؟ ——

روحوں کے بارے میں دو مذہب ہیں۔ یک مذہب کہتا ہے کہ روحیں جوہر (ایسی چیز جو بذات خود قائم ہو) ہیں اور دوسرا مذہب کہتا ہے کہ وہ عرض (ایسی چیز جو دوسرے کے سہارے قائم ہو) ہیں پہلے قول کے لحاظ سے —— اور دراصل یہی قول صحیح ہے —— بلاشبہ جوہر کو دیکھا جا سکتا ہے اور اس کا ادراک آنکھ سے ہو سکتا ہے دوسرے قول کے مطابق کہا جائے گا کہ عرض جب جسم کی شکل میں ہو تو اسے دیکھا جا سکتا ہے چنانچہ فرشتے اور جن شکلوں میں تبدیل ہوتے ہیں۔ آج کل اہل فرنگ —— سے روحوں کو حاضر کرنے والے یہ دعوے کرتے ہیں کہ وہ روحوں کو دیکھتے ہیں۔ اور وہ ان کے

معراج جیسے معجزات کے متعلق یہ ثابت کرنے میں دماغ سوزی کی جاتی ہے کہ یہ معجزات عالم طبعی سے خارج نہیں ہیں۔ محض ایک رسول ہی کو یہ معجزات حاصل نہیں ہوتے اور ان میں کسی فضل و کرم اور برگزیدگی کا تعلق نہیں ہے۔ اس طرح سے ہم کسی نتیجہ پر ہرگز نہ پہنچ سکیں گے جہاں تک پہنچنے کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ثابت کرنا، بلکہ ہماری پوری کوشش آخر کار آپ پر ایمان لانے سے روکنے کا باعث بنے گی۔ اس لیے اب ہم اس طرف پہلی نامہ کریں گے کہ معراج [illegible] اور [illegible] کے ساتھ مخصوص نہ بلکہ آپ اور آپ کے علاوہ ہر وہ انسان حاصل کر سکتا ہے جو سائنسی [illegible] کہتا ہو۔ [illegible] اس موقع پر [illegible] کہاں تک [illegible] رسول اور رسول معجزات کے [illegible]

اور [illegible] کہ [illegible] اور [illegible] حاصل ہوتی کہ ایسے انسان کے سامنے ہم معراج پر دلیل [illegible] کرنے لگیں جو سرے سے اللہ کی قدرت کو نہ پہچانتا ہو بلکہ اس کی ذات ہی سے ناواقف ہو اور معجزات اور تمام خوارق کا انکار کرتا ہو۔ ابتداءً اس شخص کے سامنے انہی چیزوں کو ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ سب سے پہلے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات اور قدرت اور اس کے فعّال لما یرید ہونے پر

باہر نکالیں گے۔ ایسا کام صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو خدا کے قادر و مختار اور "فعال لما یرید" معبود ہونے کا اقرار نہ کرتا ہو۔ اور یہ اسی شخص کا کردار ہو سکتا ہے جو رسالت، معجزات اور خوارق کا انکار کرتا ہو حالانکہ یہی اسلام کا بنیاد ہے۔

ان حقائق کو ثابت کرنے میں وہ طریقہ جسے ہم بھی پسند کرتے ہیں اور جس کی منطق بھی اجازت دیتی ہے یہ ہے کہ جو شخص ہم سے مخاطب ہو اس سے ہم کہیں کہ تمہاری دو ہی حیثیتیں ہیں۔ یا تو تمہارا اللہ اور اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان ہے یا تم ان تمام کے منکر ہو۔ اگر تمہاری حیثیت پہلی ہے تو ہمارا فرض محض تم پر یہ ثابت کر دینا ہے کہ معراج کا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اس واقعہ کے ممکن ثابت کرنے کے لیے یہ چیز کافی ہے اور اس کے ثابت ہونے کا پورا انحصار اس کی سند کے ثابت ہونے پر ہے ..... اور اگر تم دوسری حیثیت رکھتے ہو تو اس سے پہلے کہ ہم تم پر معراج یا اسی قسم کی دوسری جزئیات دین ثابت کریں زیادہ ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہم تمہارے سامنے دلائل قائم کریں، منکرین کی تردید اور ان سے بحث کرنے کا صحیح ڈھنگ یہی ہے۔ بحث کا صحیح ڈھنگ اور مناسب طریقہ یہ نہیں ہے کہ جو شخص اللہ، رسول اور کتابوں کا انکار کرتا ہو اس کے سامنے خواہ مخواہ

یہی وہ طریقہ ہے جسے ہم بھی پسند کرتے ہیں۔ اور جس کی علم منطق بھی اجازت دیتا ہے۔ لیکن اگر ہم وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیں جسے نہ ہم پسند کرتے ہیں اور جس کی اجازت علم منطق بھی نہیں دیتا۔ تو ہم ان مخالفین سے کہیں گے:۔

واہ! سبحان اللہ! کیا تعجب خیز اور مضحکہ انگیز مقام ہے کہ انگلستان اور دوسرے مغربی ممالک کے لوگ چاند اور مریخ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور امید رکھتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو کر رہیں گے۔ اور تم ان کی امید کی تصدیق کرتے ہو۔ اور اسے ان کی قدرت کی بنا پر قطعاً محال نہیں دیتے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ یہی چیز تم اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لیے تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ کیا سمجھ بوجھ اور فکر میں اس سے بڑھکر کوئی نقص ہو سکتا ہے؟ کیا وہ اللہ جس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے ہوا اور سانس کا محتاج بنایا اس چیز پر قادر نہیں ہے کہ اپنے بندوں کو ان دونوں چیزوں سے بے نیاز کر دے اور وہ ان کے بغیر رہنے لگیں؟ کیا وہ اللہ جو بیوں کو حاملہ عورتوں کے شکموں میں بغیر ہوا اور سانس کے زندہ رکھتا ہے اور جس نے مچھلیوں کو اتنی قدرت دی ہے کہ وہ ہوا اور سانس ——— جن کے بغیر خشکی کے جانور زندہ نہیں رہ سکتے ——— کے بغیر سمندروں

دلائل قائم کرنے چاہئیں۔ لیکن نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانہ میں بحث کرنے کے ڈھنگ نہایت ہی بے مقصد اور لاحاصل ہیں۔ آج کل لوگ ان چیزوں میں تو بہت پیش قدمی کرتے ہیں جنہیں محسوس اور جن کا تجربہ کیا جاسکتا ہو۔ اور باقی رہیں وہ چیزیں جن کا تعلق سراسر عقل اور نظر سے ہے تو ان میں وہ بہت پیچھے ہٹے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں امور ہرگز ایک دوسرے کے لازم ملزوم نہیں ہیں۔ یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ جو انسان ظاہری چیزوں کا احساس رکھتا ہو وہ عقل اور پیچیدہ معاملات کے سمجھنے کی طاقت بھی رکھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچے اور بہت سے صنعت پیشہ لوگ ان امور میں تو ماہر ہوتے ہیں جن کا تعلق احساس اور تجربہ سے ہوتا ہے۔ لیکن ان امور میں وہ بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں جن کا تعلق عقل و نظر سے ہوتا ہے بلکہ ایک بے زبان حیوان بھی محسوس چیز سے واقف اور اس پر یقین رکھتا ہے لیکن وہ کسی عقلی چیز کو نہیں پہچانتا۔ اگر آپ موجودہ دور کے رسائل، اخبارات اور کتابوں پر غور کریں گے کہ ان میں لوگ کس طرح ایک دوسرے سے بحث مباحثہ کرتے اور اپنے کو بڑا اور دوسرے کو چھوٹا قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ لوگ منطق اور بحث کے طریقوں میں کس قدر پیچھے رہ گئے ہیں۔

جو تیل سے بھرا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس پر نہایت مضبوطی سے اس طرح سے تالا لگا دیا جاتا ہے کہ ہوا کسی راستہ سے بھی اس تک نہ پہونچ سکے۔ کتنی ہفتوں تک وہ اس طرح رہتا ہے اور پھر زندہ نکل آتا ہے۔ مصر کے ایک اخبار کا بیان ہے بلکہ اسے شیخ رشید رضا نے اپنی کتاب "الوحی المحمدی" میں بھی بیان کیا ہے کہ ان سادھوؤں میں سے ایک سادھو کے وہ تمام مسام اور راستے روئی کے ذریعے بند کر دیئے گئے۔ جن کی بدولت ہوا اس کے جسم کے اندر داخل ہو سکتی تھی۔ پھر اسے ایک صندوق میں ڈال کر نہایت مضبوطی سے تالا لگا دیا گیا اور اس کے بعد صندوق کو زمین میں دفن کر دیا گیا۔ چالیس دن تک وہ سادھو زمین میں دفن رہا لیکن جب نکالا گیا تو زندہ نکلا۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جبکہ ہزاروں دیکھنے والے موجود تھے۔ بلکہ سیاسی لیڈروں اور ڈاکٹروں کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ ..... جلا اللہ رب العالمین اس طرح کے کام سے کیسے عاجز آ جائے گا؟

(۵) ——— آسمان کے دروازے ہیں کہ نہیں۔

یہ کہنا کہ آسمان کے دروازے نہیں ہیں صرف کہنا ہی نہیں ہے اور یہ ایک ایسا دعوے ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے (وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ) (يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ) حالانکہ قرآن کہتا ہے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ

کی گہرائیوں میں زندہ رہ سکیں اس قدر قدرت نہیں رکھتا کہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے کہ دونوں چیزوں سے بے نیاز کر دے؟ کیا ہوا اور جو کچھ بھی ہوا سے اوپر ہے اللہ تعالےٰ کی تابع نہیں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ جہاں چاہے، جسے چاہے، جب چاہے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کر سکتا؟ خود انسان کو لے لیجئے۔ اس کی ہستی کیا ہے۔ گوشت اور ہڈیوں کا نہایت ہی کمزور ڈھانچہ ہے لیکن پھر بھی ہوا کو اپنا تابع بناتا ہے، اپنی مرضی کے مطابق اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا ہے۔ جس جگہ کو چاہتا ہے اس سے خالی کر دیتا ہے اور جس جگہ چاہتا ہے اسے بھر دیتا ہے، غوطہ خور، آبدوز کشتیوں میں ہوا بھر کر سمندر کی تہوں میں اتار دیتا ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے غور تو کیجئے کہ جس اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے کیا وہ اس قدر عاجز و درماندہ ہے کہ وہ کام بھی نہیں کر سکتا جسے وہ کمزور انسان سرانجام دے سکتا ہے جس کی بقا ہوا اور سانس کے بغیر ممکن ہی نہیں؟

سنا ہے کہ ہندوستان کے سادھو اس قدر نفس کشی کرتے اور چلے کھینچتے ہیں کہ بڑے بڑے دہشت انگیز کام سرانجام دیتے ہیں اور کافی مدت تک ہوا اور سانس کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں چنانچہ بہت سی کتابوں میں لکھا ہے کہ ان میں سے ایک سادھو اپنے آپ کو ایسے برتن میں ڈال دیتا ہے

گفتگو اوپر ہو چکی ہے۔

(۶) ——— آسمان سات ہیں اور وہ ان سات افلاک کے علاوہ ہیں جو اہل نجوم اور اہل فلک کو معلوم ہیں۔

آسمانوں کی تعداد صرف معراج کی احادیث ہی میں نہیں بلکہ قرآن اور بہت سی متواتر حدیث میں بھی مذکور ہے کسی عالم کے نزدیک سات آسمانوں کے موجود ہونے میں شک نہیں ہے۔ اختلاف اگر ہے تو ان کے معین کرنے میں نہ کہ ان کے موجود ہونے میں۔ معراج کی احادیث انہیں معین نہیں کرتیں کسی جاننے والے کا یہ دعوے نہیں ہے کہ وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جس کے وجود پر موجودہ زمانہ کے اہل علم کا اتفاق ہے کہ فضاء آسمانی کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے لہذا لازمی طور پر جو مخلوقات اس بے حد و انتہا فضاء میں موجود ہیں ان کا کوئی انسان ادراک نہیں کر سکتا اور نہ ہی انہیں دیکھ سکتا ہے۔ دوربین کے ذریعہ ہم ایک محدود حد تک دیکھ سکتے ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھ ادراک ختم ہو جاتا ہے لہذا جو شخص احادیث کے بتلائے ہوئے سات آسمانوں کا اس بنا پر انکار کرتا ہے کہ دوربین کے انہیں نہیں دیکھا وہ گویا مندرجہ بالا حقائق کا انکار کرتا اور خود اپنی جانی ہوئی چیز سے ناداں بنتا ہے۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سات آسمان ان ستاروں کے علاوہ ہیں جنہیں آج لوگوں نے

ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔

مشرق یا مغرب کے کسی عالم کا یہ دعوے نہیں ہے کہ اسے ہر اس چیز کا علم ہے جو اللہ نے پیدا کی ہے جب یہ لوگ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم بلا دلیل آنحضورؐ کے کلام کو ترک کر دیں تو ہم ان کے قول کو بلا دلیل کیسے قبول نہ کریں! ..... اگر واقعی اس چیز کو صحیح بھی مان لیا جائے کہ آسمان کا کوئی دروازہ نہیں ہے تو حدیث اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ آنحضورؐ نے صرف یہ فرمایا ہے فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ "آسمانوں کے دروازے کھولے گئے" یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ ہیں۔ اس سے اس چیز کی صاف صاف نفی نہیں ہوتی جس کی یہ مخالفین نفی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ کہا جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ	اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔
اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِکَ	اے اللہ! ہمارے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

اس قسم کی مثالوں میں ابواب سے مراد واقعی دروازے اور افتح سے مراد واقعی کھولنا نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ کہنا کہ آسمان اس قابل نہیں ہے کہ اس میں ٹوٹ پھوٹ اور کٹاؤ واقع ہو سکے" محض وہم ہی وہم ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اس کے علاوہ معراج کی احادیث میں تو کھولنے کا لفظ آیا ہے نہ کہ ٹوٹ پھوٹ اور کٹاؤ کا اور کھولنے کے بارے میں مفصل

رات میں طے ہو جانے پر دلائل قائم کرتے رہیں۔ تو ہم ایک ایسا کام کریں گے جسے منطق ہرگز جائز قرار نہیں دیتی۔ معراج اور اس پر ایمان کی اللہ اور اس پر ایمان کے مقابلہ میں حقیقت ہی کیا ہے؟ لیکن اگر ہم یہی دلائل اس وقت قائم کریں جبکہ وہ اللہ کی قدرت کا مومن ہو اور اسے زمین و آسمان کا، تمام موجودات کا اور جملہ مخلوقوں، دیویوں اور قوتوں کا پیدا کرنے والا مانتا ہو۔ تو اس کے لئے اس چیز پر ایمان لانا ہرگز مشکل نہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو جس قدر چاہے ایک ہی رات میں لے جا اور پھر واپس لا سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا اپنے رسول کو ایک ہی رات میں آسمان پر لے جانا انسان کو پیدا کرنے اور اس میں باقاعدہ کارخانہ جاری کرنے سے زیادہ دشوار اور تعجب خیز نہیں ہے وہ بہرحال اس آنکھ کے پیدا کرنے سے کم عجیب و غریب ہے جس کے معمولی ہونے کے باوجود ہم اس کے ذریعہ کروڑوں میل کے فاصلہ پر آسمانی ستاروں، چاند اور سورج کو ایک سیکنڈ میں بلکہ اس سے کہیں کم وقت میں دیکھ لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ تعجب خیز چیز یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک سفید قطرہ سے ہماری زبردست عقلوں کو، بے انتہا علوم کو اور عجیب و غریب حواس کو پیدا کیا ہے ..... لیکن جب ایک چیز کو بہت زیادہ دیکھا جاتا ہے تو اس سے سامان عبرت حاصل نہیں ہوتا۔

دیکھا اور جنہیں اہل فلک نے جانا ہے۔ ان سے مراد آسمانوں کے سات طبقے ہیں جو اس غیر محدود فضا میں بہت زیادہ دور ہیں۔ اس کا استراد گذشتہ اور موجودہ فلاسفر سب ہی کرتے ہیں۔ پس انسان نے تا حال ان آسمانوں کو نہیں دیکھا نہ آنکھ سے اور نہ ہی کسی نزدیک اور ظاہر کرنے والے آلہ سے۔ اس لئے اس کے لئے صحیح نہیں ہے کہ جب تک وہ کسی چیز کو دیکھے اس وقت تک اس چیز کے وجود کا اس لئے انکار کرتا رہے۔ کہ اس نے اسے نہیں دیکھا حالانکہ وہ خود اعتراف کر چکا ہے کہ فضا کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

(۷) ——— زمین سے آسمان تک کی مسافت کا ایک ہی رات میں طے ہو جانا۔

اس چیز کا تعلق اللہ رب العالمین کی قدرت اور اس پر ایمان سے ہے۔ جو شخص معراج کا انکار کرتا ہے وہ لازمی طور پر اللہ اور اسکی قدرت کا بھی منکر ہوگا۔ ایسے شخص کو مطمئن کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کے سامنے اس قادر مطلق الہ کے وجود پر دلائل قائم کریں جو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالےٰ کی ذات اور پھر اس کی قدرت کو پہچان لے گا۔ تو اس پر اس چیز کا سمجھ لینا چنداں دشوار نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ اللہ اور اس کی قدرت کا تو انکار کرتا ہو اور ہم اس کے سامنے ان مسافات کے ایک

اور ابتداء پرلانے کی بجائے پہلے آدمی کے سورج تک چڑھ جانے پر ایمان لائے گا۔ اسی طرح اگر کسی عقل مند انسان نے کبھی سورج، چاند اور ستاروں کو نہ دیکھا ہو اور گھر سے باہر نکل کر کبھی آسمان کی طرف نگاہ نہ اٹھائی ہو اور پھر اس سے کہا جائے کہ جس گھر میں تم بیٹھے ہو اس کے اوپر ایک بہت روشن چیز موجود ہے جو ساری زمین سے لاکھوں گنا بڑی ہے اور فضا میں لٹکی ہوئی ہے۔ کوئی چیز سے اٹھائے ہوئے نہیں ہے اور وہ زمین پر نہیں گرتی تو یقیناً وہ عقل مند انسان اس بات کو خرافات خیال کرے گا۔ اور قدرت اور امکان کے لحاظ سے اس کو معراج کی نسبت زیادہ انوکھا اور نادر سمجھے گا۔ آج ہم بھی سورج، چاند اور ستاروں کو اپنے اوپر ہوا میں دیکھتے ہیں۔ لیکن ہمیں تعجب نہیں ہوتا اور نہ کوئی عبرت حاصل کرتے ہیں۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہُ اَحَدٌ

(ترجمہ) اور ہر چیز میں اللہ کی ایک ایسی نشانی ہے جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ وہ واحد ہے

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کا مخالفین نے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ وہ ان کے عقیدہ اور خیال سمجھتے ہیں اس طرح نہیں بلکہ اس سے زیادہ عجیب و غریب چیزیں وہ ہر روز اپنی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ سورج اور زمین کے درمیان ۹۳۰۰۰۰۰۰ میل کی مسافت ہے کیا اس کی کسی نے ناپ

فرض کیجئے کہ انسان میں دیکھنے کی طاقت پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی اب اگر اس کے سامنے آنکھ اور اس کی قوت کے متعلق بیان کیا جاتا کہ وہ ایک سیکنڈ میں اس قدر کالے کوسوں کی مسافت کو طے کر جاتی ہے اور وہاں کی چیزوں کا ادراک کر جاتی ہے جسے ہم چلنے سے ہزاروں لاکھوں برس میں بھی طے نہیں کر سکتے تو وہ اس چیز کو سراسر وہم خیال کرتا اور اسے معراج اور اس کے قصہ سے زیادہ عجیب و غریب سمجھتا۔ اگر آج کوئی انسان ایک لخت سالم جسم کے ساتھ پیدا ہو جائے کہ ہمارے دادا آدمؑ کی پیدائش ہوئی تھی۔ اور پھر وہ لوگوں کو نہایت کامل و بالغ اور عورتوں کو پیکر حسن و جمال دیکھے جن سے آنکھ سیر نہ ہوتی ہو تو وہ کبھی ان کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے ان کی ابتدا اور حقیقت بتائی جائے کہ ایک وقت تھا جب کہ یہ تنومند اور خوبصورت چلتے پھرتے انسان اس گندے، حقیر و ذلیل اور سفید پانی کا ایک قطرہ تھے یا مٹی تھے تو ممکن نہیں کہ وہ اس بیان کی تصدیق کر سکے اس کے برعکس اگر اس سے کہا جائے کہ جن انسانوں کو تم زمین میں چلتا پھرتا دیکھتے ہو ان میں سے ایک آدمی کو اس سورج تک بلکہ اس سے بھی اوپر لے جایا گیا۔ اور پھر اسی رات اسے واپس بھی لایا گیا تو وہ اس چیز کو پہلی کی نسبت زیادہ قریب عقل خیال کرے گا اور اگر اس کا ایمان لانا ممکن ہو تو وہ انسان کی اصلیت

آج کل فادر فتحا۔ پر ایمان لانا اولین ضروریات میں ہو گیا ہے۔ اس بارے میں صرف وہی لوگ اختلاف کرتے ہیں جنہیں دراصل الحاد اور کفر سے دلی عشق و فریفتگی ہے ان کا کفر اپنی خواہشات نفس کی بنا پر ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس اس کے دلائل ہیں۔ اس صورت میں ہماری یہ کوشش کہ یہ لوگ معرفت اور پھر ایمان سے آئیں سراسر لایعنی و بے حاصل ہوگی

اگر کوئی انسان ——— خواہ وہ پیدائشی ہی کیوں نہ ہو ——— اپنے جسم کے سب سے چھوٹے عضو پر غور و فکر کرے کہ اس میں کیا کیا حکمتیں اور کام اور پوشیدہ ہیں۔ اس میں کیا مصلحت اور نکتہ ہے۔ یہ بدن میں کیسے اور کس غرض سے رکھا گیا ہے جہاں پر سب سے زیادہ مناسب تھا۔ اور اس کا اندازہ، شکل، رنگ اور کشادگی کیسے اپنی ضرورت اور حال کے مطابق۔ اس کے بعد اسے چاہیئے کہ خود اپنی اصلیت میں اور اس مادہ پر غور کرے جس سے اس کی پیدائش ہوئی ہے، وہ سوچے کہ اس کے تمام اعضا کی نشوونما کیسے ایک مناسب اور موزوں طریقہ سے ہو رہی ہے۔ اور اس سے پہلے وہ کیوں کر ایک حالت سے دوسری حالت میں اور ایک پیدائش سے دوسری پیدائش میں منتقل ہوتا رہا ہے۔ پھر اسے چاہیئے کہ اس عضو کے

ہیں ہم تک پہنچ جاتی ہیں روشنی کی رفتار دو لاکھ میل فی سیکنڈ ہے اور یہ روشنی جو اس تیزی سے برابر سفر کر رہی ہے سائنسدانوں نے تحقیق کی ہے کہ وہ مادہ (Matter) یعنی جوہر ہے نہ کہ عرض پس جب موجودات کو وجود دینے والے نے روشنی کو جو جسم رکھتی ہے یہ تیزی اور قوت بخشی ہے تو بھلا وہ اس چیز سے کیسے عاجز آ جائے گا یا اس میں کیسے کمی کرے گا کہ اپنی مخلوقات میں سے سب سے افضل و اعلیٰ ہستی کو یہی سرعت و قوت عطا کرے جب یہ سرعت و قوت اس نے اس نور (روشنی) کو دیدی جس سے ابصار (آنکھیں) ہدایت پاتی ہیں۔ تو وہی سرعت و قوت اس نور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیوں عطا نہ کرے گا جو بصائر (بصیرتیں اور دل کی آنکھیں) کو ہدایت بخشتی ہے؟

آج کل ریڈیو اور ٹیلیفون آواز اور گفتگو کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ یہ بتاتے ہیں کہ معراج کا واقعہ غلط نہیں ہے اور ان سے وہ تمام مسافتیں اور دوریاں سمٹ ہو جاتی ہیں جنہیں ان لوگوں نے اپنے انکار کی بنیاد ٹھہرایا ہے۔

الغرض معراج کے متعلق شبہات حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شبہات ہیں اور صرف انہی لوگوں کے دلوں میں پائے جاتے ہیں جو حقیقی قادر مختار اور "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" معبود کا انکار کرتے ہیں۔

موجود ہیں۔ اگر آج کل کی یورپین ایجادات کا ذکر قرآن میں، یا خدائے تعالےٰ کی نازل کردہ کسی دوسری کتاب میں آجاتا تو مجھے یقین ہے کہ جاہل لوگ ضرور کہتے کہ یہ چیزیں تو قطعی محال ہیں۔ آج جس قدر وہ اسراء اور معراج کی تکذیب و انکار کرتے ہیں ان سے کہیں بڑھ کر انکار وہ ان ایجادات کا کرتے۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ ہمارا مخالفین کو جواب دینے کا طریقہ وہ نہیں ہے جسے بہت سے لوگ اختیار کرتے ہیں یعنی یہ کہ ہم ان کے سامنے اس چیز کے ثابت کرنے کی کوشش کریں جس میں وہ ہم سے مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طریقہ، جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں سراسر بے نتیجہ اور لاحاصل ہے اور اس سے ایمان کی نصرت اور کفر کی سرکوبی نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس بحث کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ ہر چیز سے پہلے ہم مخالفین کے سامنے اس ذات بے ہمتا کے وجود پر دلائل قائم کریں جو کسی چیز کو "کن" کہہ دیتی ہے اور وہ ہو جاتی ہے اور جس پر کوئی چیز غالب نہیں آتی اور اس کی راہ میں کوئی مزاحمت پیدا نہیں کرتی۔ جب مخالفین اس چیز کا اعتراف کر لیں گے تو ان کے لئے دین پر اور دین کے لائے ہوئے ایسے امور پر ایمان لانے کی راہ میں رکاوٹ حائل نہ ہوگی جن میں زبردست عقلیں چکرا

اردگرد کی چیزوں پر سوچ بچار کرے جنہوں نے اسے نقصانات سے محفوظ رکھا۔ غور کرے کہ وہ ان چیزوں کے درمیان کیسے صحیح سالم اور محفوظ باقی رہا اور اپنے فرائض اور ذمہ داریاں نہایت عمدہ طریق سے ادا کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کام پر غور کرے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے اور جو اس کی زندگی کا مقصد ہے اور یہ بھی سوچے کہ اگر اس کی پیدائش اس کے برعکس ہوتی تو یہ سارا نظام بھی الٹا ہو جاتا اور پھر کیسے زندگی بسر ہوتی۔ میں کہتا ہوں کہ انسان ——— خواہ وہ پرلے درجے کا کند ذہن اور غبی ہی کیوں نہ ہو ——— جب اس چیز پر غور کرے گا تو یہ اس کے لئے خواہ وہ بے علم ہو یا عالم، تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ اس بات کی کافی دلیل ہوگی کہ ایک قادر مختار ہستی ہے۔ جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ وہ اس عضو کو معراج اور اسراء اور دوسرے تمام معجزات سے زیادہ تعجب خیز خیال کرے گا۔ لیکن حقیقت یہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ یعنی جب ایک چیز کو دیکھنا کثرت سے ہوتا ہے تو اس سے سامان عبرت حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آج کل مغربی ممالک نے جو عجیب و غریب ایجادات و اختراعات کی ہیں وہ تقریباً معراج کے محال قرار دینے کے خیال کو ختم کر دیتی ہے حالانکہ جن چیزوں پر وہ قائم ہیں اور جن پر ان کا دارومدار ہے وہ سب

اور خوامخواہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہی چیز بادشاہوں کے بادشاہ اللہ
رب العالمین کے لئے نہیں تسلیم کی جاتی۔

جاتی ہیں۔ ورنہ اگر ہم یہ ثابت کر دیں کہ یہ امر جسے لیکر دین اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے "معجزہ نہیں ہے بلکہ یہ اس عالم طبعی کا عام دستور ہے جو انبیاء اور غیر انبیاء سب کو حاصل ہو سکتا ہے۔ تو کیا یہ چیز ان کے سامنے ایمان اور رسالت پر دلیل ہو گی؟ ہرگز نہیں آپ پر ایمان، ایمان پر اطمینان اور دین کے بتائے ہوئے امور کے بارے میں جو بھی شبہات کئے جائیں آپ کو چاہیئے کہ ان کا مقابلہ اسی طرح کریں۔ آپ کو جان لینا چاہیئے کہ تمام مذاہب کی بنیاد خوارق اور خوارق کے ایمان پر ہے۔ ہر مذہب یہ بتاتا ہے کہ انسان ——— جو اشرف المخلوقات ہے ——— خوارق وعجائب کا ایک سلسلہ ہے۔ چناں چہ اس کی ابتدا آدم و حوا علیہما السلام کی پیدائش سے ہوئی ہو سراسر ایک معجزہ اور خوارق تھا۔ اور اس کی انتہا یہ ہے کہ موت کے بعد اسے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور پھر جنت یا دوزخ میں بغیر مرے اور جیئے باقی رہے گا۔ یہ بھی سراسر خارق اور معجزہ ہے لہذا ایمان کے لئے ضروری ہے اور اس چیز پر ایمان لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا اور پسند کرتا ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ دنیا کے ہر بادشاہ اور غیر بادشاہ کے افعال میں عام احکام و حالات سے بعض مستثنیٰ احکام

پاس جاکر کرتے ہیں اور جن سے ذوق سلیم، عقل اور دین کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو پکارا حالانکہ وہ کافر تھے تو ہم کیسے مومن مردوں کو نہ پکاریں، اور جب مردے سنتے ہیں تو سننے والے کو پکارنے میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے اولیاء اور غیر اولیاء کے مزاروں پر مختلف قسم کی خرافات ایجاد کر لی ہیں۔ عمارتیں اور رقبے بنا ڈالے ہیں۔ انہوں نے بہت سے ایسے غلط قسم کے اوہام ایجاد کر ڈالے جنہوں نے دین اور اہل دین کو بدنام کر کے رکھ دیا اور جنہوں نے دشمنان خدا کو موقع دیا کہ وہ توحید عقل اور ذوق سلیم والے دین پر نکتہ چینی اور اعتراضات کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بدعات کا ——— جیسا کہ اہل فکر جانتے ہیں ——— آج کل کے مسلمان نوجوانوں کو الحاد کی طرف دھکیلنے میں بڑا دخل ہے۔ وہ دراصل ان لوگوں سے نفرت کرتے اور مذہب کو اختیار کرنے سے انکار کرتے ہیں جو مردوں سے ڈرنے اور ان سے امیدیں وابستہ رکھنے کی دعوت دیتا ہو حالانکہ ان کو دین کی کوئی سمجھ اور بصیرت حاصل نہیں ہوتی۔ قبر پرست جو کچھ خرافات کرتے ہیں دراصل یہ نوجوان اسی کو دین سمجھتے ہیں۔

ہم کامل تحقیق اور اجماع کی بنا پر یہ جانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ان کے بعد آنے والے آئمہ دین نے مردوں

مخاطبۃ الاموات

(مردوں سے خطاب)

بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے روز حکم دیا جس کی تعمیل کرتے ہوئے صحابہ کرام نے قریش کے چوبیس سرداروں کو بدر کے ایک کنویں میں دبا دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کنویں پر کھڑے ہو کر سرداروں کے نام اور ان کے باپ دادا کے نام لے کر پکارنے لگے۔ کہ ہمارے ساتھ اللہ نے جو فتح و نصرت کے وعدے کئے تھے سچ کر دکھائے تم بتاؤ کہ تمہارے ساتھ عذاب اور گرفت کے وعدے بھی پورے ہوئے؟ عمر بن الخطاب نے کہا یا رسول اللہ! کیسے بے جان جسموں سے مخاطب ہیں جو بے جان ہیں؟ اس پکار پر ان کے جسم کچھ بولے اور نہ دیکھا فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چیز میں کہتا ہوں اسے تم اتنا نہیں سنتے جتنا کہ یہ سنتے ہیں۔"

جن لوگوں کی نشوونما بدعات اور خرافات میں ہوئی ہے انہوں نے اس واقعہ سے اپنی بدعات پر امید اور خوف سے مردوں کے پاس پناہ ڈھونڈھنے پر اور ان تمام محدثات پر استدلال کیا ہے جنہیں وہ قبروں کے

اب اگر ہم مردوں کے ذریعے توسل و تقرب تلاش کرنے کو باطل قرار دینے کی کوشش کریں تو گویا اپنے آپ کو بدنام کریں گے۔ اور دوسرے لوگوں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقعہ دیں گے۔ ہمارا تو حال بعینہٖ اس شخص کی سی ہوگی جو یہ ثابت کر رہا ہو کہ سورج چاند سے زیادہ روشن ہے اور ۲ + ۲ = ۴ ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم پر اسے غلط ثابت کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں تقریباً تمام لوگ توسل کے فتنہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہر ایک آدمی نے اسی میں نشوونما پائی ہے۔ اور ہر بچے نے اسی میں آنکھ کھولی ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اسے دین و ایمان کا جزء سمجھنے لگے ہیں۔ یہ چیز لوگوں کی عادت میں داخل ہو چکی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ عادت کا عقیدہ میں بہت گہرا اثر ہوتا ہے ورنہ اس چیز میں کس کا اختلاف ہے کہ مردوں سے قرب حاصل کرنے اور ان سے سعادت و مدد طلب کرنا جہالت اور ضلالت ہے؟

کون کہتا ہے کہ اسلام جیسا توحید کا علمبردار دین ان گندگیوں کو جائز قرار دیتا ہے۔ جو اس وقت دین اور دینداری کے نام سے موجود کی محفلوں اور بچہ پیدا ہونے والے گھروں میں اور بہت سے دوسرے موقعوں پر کی جاتی ہیں؟ کون ہے جسے اللہ نے معمولی عقل، حق پرستی اور صداقت پسندی عطا فرمائی ہو اور وہ کہتا ہو کہ دین اسلام نے اپنے اتنے

کو پکارتے تھے نہ کسی مصیبت میں ان کی طرف پناہ لینے کے لیے دوڑتے تھے۔ ہم ان میں سے کسی ایک کو نہیں بتا سکتے جس نے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس جا کر التجا کی ہو کہ آپ اس کی مصیبت کو ٹال دیں، اس کی دولت میں اضافہ کر دیں، اسے ہدایت عطا فرمائیں یا اس سے تنگ دستی دور کر دیں۔ اس چیز کا قطعاً ثبوت نہیں ملتا کہ کسی صحابی، تابعی یا کسی امام نے وہ کام کئے ہوں جو یہ لوگ آج کل بہت سے مقامات پر کرتے ہیں۔ مثلاً طواف، مستقل قیام بوسہ لینا، خشوع و خضوع، توسل، فروتنی اور سراسر گندی و انکساری وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے قرآن و حدیث کے نازل کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ اس قسم کی تمام چیزوں کو ختم کر دیا جائے۔ ان کا وجود صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔ قرآن اور حدیث میں آپ کو کوئی چیز ایسی نہ ملے گی جو اس قسم کی چیزوں کا پتہ دیتی ہو یا انہیں جائز و حلال قرار دیتی ہو۔ ——— خواہ اشارۃً یا صراحۃً۔ بلکہ پورا قرآن ایسی ہی چیزوں سے روکنے اور ان کے ارتکاب پر سخت وعید سنانے سے بھرا ہوا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر مردوں کو پکارنا اور ان کے ذریعہ خدا کا تقرب حاصل کرنا اللہ کا بتایا ہوا دین ہوتا تو صحابہ کرام اور بعد میں آنے والے آئمہ اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے۔ اب جو شخص بھی ایسا خیال کرتا ہے وہ گویا اولین مسلمانوں پر اتہام لگاتا ہے۔

ایسے دلائل دیدیتے ہیں جن کا کچھ حصہ ایک انصاف پسند انسان کے اطمینان کے لئے کافی ہوگا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس توسل کا دراصل دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس وقت ہم اس طرف اسی قدر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کفار قریش کے پکارنے سے جنہیں کنویں میں گرا دیا گیا تھا اس سے زیادہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ عالم روحانی کا وجود ہے۔ یہ عالم عالم جسمانی سے الگ ہے اور وہ بعض اوقات خطاب اور پکار کو سن لیتا ہے آج کل روحوں کو حاضر کرنے والے اس چیز کو ثابت کرتے ہیں۔ لیکن عالم روحانی کا وجود اور اس کا بعض اوقات پکار کو سن لینا ان متوسلین کو یہ نہیں بتاتا کہ اس کے ذریعے مدد طلب کرنا اور اس کے لئے دعا کرنا جائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم ارواح کے وجود کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر پکارنے والے کی پکار کو سنے جب سن لے تو جس چیز کا اس سے مطالبہ ہو اس کی تعمیل پر قادر ہو نہ اسے اجازت ہو کہ جو کوئی پکارے اس کی فریاد پوری کر دے۔ اور ہمارے لئے اجازت ہو کہ ہم اس سے فریاد کریں ان تمام چیزوں سے لازم نہیں آتا کہ مردوں سے مدد طلب کرنا مباح اور جائز ہے۔ اور اس میں سے کوئی چیز بھی ممنوع نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فعل سے دین اور دنیا میں خرابیاں اور بربادیاں پھیلتی ہیں اور

والوں کے لیئے جائز قرار دیا ہے کہ مردوں سے نوکری دلانے۔ شادی کرانے، مقدمہ میں گواہی دینے اور دینی یا دنیاوی معاملات میں مشکلات دور کرنے کی دعا کریں؟ جیسا کہ ہم آج ان صالحین کرام کی قبروں پر دیکھ رہے ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)؟ کون ایسا مسلمان ہے جو کہتا ہو کہ یہ چیز عین اسلام ہے کہ موحد مسلمان مٹی اور ریت میں لیٹے ہوئے مردہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر، دل میں خشوع وخضوع پیدا کر کے، اعضا کو ڈھیلا کر کے اور رغبت وخوف اور فروتنی کا مجسمہ بن کر کھڑا ہو جائے اور نہایت درد بھرے لہجہ میں پکارے "اے فلاں ..... ! مدد — اے فلاں .... !! مدد" ؟ ہرگز نہیں۔ بلاشبہ دین اسلام ایسی چیزوں سے یکسر پاک و بالا تر ہے اور ان کی شدت سے تردید کرتا ہے۔

اب کون عقل مند مسلمان ایسا ہوتا ہے جو اس توسل کو ——— جسے عام لوگ اپنائے ہوئے ہیں یا اس موجودہ پھیلی ہوئی بت پرستی کو جائز قرار دے؟ ہم بحمد اللہ کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ خرافات کم ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ اور ان کا سوائے چند ناقابل ذکر اور ناقابل توجہ لوگوں کے کوئی رکھوالا و مددگار باقی نہیں رہا۔ والحمد للہ علی ذلک

ہم نے اپنی تمام کتابوں میں اس توسل کے باطل ہونے پر عقلی و نقلی دلائل کا ذکر کیا ہے۔ اور صرف قرآن و حدیث، اجماع اور قیاس ہی سے

توسل نہیں ڈھونڈا۔ اور جن آئمہ کرامؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ان میں سے کسی نے اس سے استدلال کر کے کسی مردہ کے ذریعے توسل حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ بھی پہلو سے امت کا اجماع ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

اگر دعا کے لیئے توسل لازمی ہوتا تو پھر مردہ کافروں کے ذریعے بھی توسل جائز ہوتا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردہ کافروں کو پکارا تھا جنہیں کنویں میں پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن کوئی عقلمند ایسا جائز نہیں سمجھتا اور آجکل روحوں کو حاضر کرنے والے ——— اور مخالفین کے تمام دلائل انہی کے اقوال سے ہوتے ہیں ——— کہتے ہیں کہ روحیں بعض ایسے احکام کے ماتحت مقید ہیں جن سے نکلنا ان کے لیئے ممکن نہیں ہے۔ انہیں اجازت نہیں ہے کہ جو چاہیں کر لیں۔ اور جو شخص انہیں پکارے اس کا جواب دے دیں۔ انہیں پکارنا اور ان سے سوال کرنا ان پر ظلم و ستم اور ایذا رسانی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں کے امور میں اسقدر مشغول ہوتی ہیں کہ یہاں کے امور میں دھیان نہیں کر سکتیں۔

اور جس چیز سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روحوں کو پکارنا جائز نہیں ہے ——— خواہ وہ روحیں جواب دینے کی قدرت ہی کیوں نہ رکھتی ہوں ——— وہ یہ ہے کہ روحوں کے حاضر کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم تو ہی

اس سے لوگ مردوں کو ان کی حقیقت سے بلند سمجھنے لگتے ہیں۔ جیسا آجکل ہم اپنی آنکھوں سے یہی منظر دیکھ رہے ہیں۔ یہ توسل ڈھونڈنے والے حضرات مردوں سے ایسی ایسی چیزیں طلب کرتے ہیں جن پر وہ زندہ ہونے کی حالت میں بھی قادر نہ تھے۔ اور جن پر سوائے اللہ رب العالمین کے کوئی قدرت رکھتا ہی نہیں۔ وہ انہیں متبرک و مقدس خیال کرتے ہیں، ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ اور ان سے ڈرتے اور امیدیں وابستہ رکھتے ہیں جتنی عاجزی اور انکساری وہ ان مردہ جسموں کے سامنے کرتے ہیں اتنی قطعاً اللہ رب العالمین کے روبرو نماز اور مناجات میں نہیں کرتے۔ بلاشبہ یہی چیز عبادت کا اصل مقصود، خلاصہ اور لب لباب ہے جس کا رخ اللہ رب العالمین کے سوا کسی مخلوق کی طرف پھیرنا ہرگز جائز نہیں ہے خواہ وہ مخلوق مردہ ہو یا زندہ۔ حاضر ہو یا غائب۔ آپ پر ہمارے اس بیان کی وضاحت اس چیز سے ہو سکتی ہے کہ ہمارے لئے فرشتوں اور جنوں کو پکارنا قطعاً جائز نہیں ہے حالانکہ فرشتے اور جن زندہ ہیں اور انسان اور اس کی روح کی نسبت زیادہ قدرت رکھنے والے ہیں کسی مسلمان اور کسی عقلمند نے ان سے دعا نہیں کی اور جن صحابہ کرامؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے مردوں کو پکارتے سنا انہوں نے بھی اس سے یہ نہیں سمجھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد آپ کے ذریعے

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

(یونس آخر)

اور اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو نہ پکارو جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان اگر تم نے ایسا کیا تو بے انصافوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اور فرمایا

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (الاحقاف ۱)

اور ان لوگوں سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کے سوا کسی ایسے شخص کو پکارتے ہیں جو ان کی دعا کو قیامت کے دن تک قبول نہیں کر سکتا۔ اور وہ ان کی دعا سے غافل ہے

کیا ان لوگوں کے لیئے توسل کے باطل ہونے پر یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ ان کے توسل کے لیئے بہت سی ایسی گمراہیاں اور بداعمالیاں ناگزیر ہیں۔ جن کا سب اعتراف کرتے ہیں اور شرک کا نتیجہ شر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان توسل ڈھونڈھنے والوں کا دعوے اور ہے اور جس دلیل سے اپنے اس دعوے پر استدلال کرتے ہیں وہ اور! دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کا دعوے تو یہ ہے کہ مردوں سے سوال کرنا، ان سے امیدیں وابستہ رکھنا، ان سے پناہ ڈھونڈنا۔ اور اسی طرح دوسری بدعات کو بجا لانا سراسر حق اور دین کا جز ہے۔ لیکن

اور عظیم الشان روحوں کو حاضر نہیں کر سکتے چنانچہ ان میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ انبیاء اور مقربوں کی روحوں کو حاضر کر سکیں۔ آخر ایسا کیوں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر انسان میں روحوں کو پکارنے اور انہیں حاضر کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

اور ہماری رائے میں جن روحوں کو یہ لوگ پکارتے اور ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ وہ گمراہ کن شیطان ہوتے ہیں۔ نہ کہ ان لوگوں کی روحیں جن سے وہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ یہ چیز ہر اس شخص پر واضح اور نمایاں ہے جو ذرا بھی سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔ اس سے ہمیں دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) شریر روحوں یعنی شیاطین کا وجود ہے۔ اس سے مذاہب کی تصدیق اور انکار و الحاد کرنے والوں کی تکذیب ہوتی ہے۔

(۲) اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ روحوں کو پکارنا اور انہیں حاضر کرنا گمراہی ہے یہی وجہ ہے کہ شیاطین جواب دیتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ شیاطین گمراہ کرنے والے ہیں۔ اور ان کا مقصد سوائے خرابی پیدا کرنے کے کچھ نہیں ہے۔

پھر کیا ان لوگوں کو اپنی دعاؤں پکار کے باطل ہونے کا پتہ اس چیز سے نہیں چلتا کہ وہ خواہ کتنا ہی دعا کیئے جائیں۔ ان کی دعا سنی نہیں جاتی۔ اور اسے قبول نہیں کیا جاتا۔ قرآن صریح الفاظ میں کہتا ہے۔

ہوتے تھے۔ اور وہ آپ کے خطاب کو سنتے اور جواب دیتے تھے۔ کیا اس خطاب اور سننے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ پتھر اور حیوان ہمیشہ سنتے ہیں لہٰذا ان کے ذریعہ توسل کرنا اور ان سے فریاد طلب کرنا جائز ہے؟ صحابہ کرام رضی میں یہ چیز اس قدر واضح تھی کہ حضرت عائشہ رضی نے اسی بنا پر مردوں سے خطاب والی" حدیث کا انکار کر دیا اور اس کے راوی کو وہمی قرار دیا حالانکہ وہ نہایت ہی ثقہ راوی تھا۔ انہوں نے استدلال قرآن کی اس آیت سے کیا اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (اے نبی تم مردوں کو نہیں سنا سکتے) حضرت عائشہ کے اس انکار اور استدلال کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام اور مسلمانوں میں سے کسی نے بھی عائشہ کے اس استدلال کا انکار نہیں کیا۔ اپنے پروردگار کی قسم کھا کر مجھے بتلا دیجئے کہ اگر اس زمانہ میں مردوں کو پکارنے کا عام رواج ہوتا جیسا کہ آج کل ہے تو کیا اس کا حضرت عائشہ پر مخفی رہنا ممکن تھا؟ اور کیا صحابہ و تابعین اس سے بے خبر تھے کہ انہوں نے اس کے ذریعے حضرت عائشہ کے استدلال کو رد نہیں کیا؟

اَلْحَقُّ اِنَّ الْاَمْرَ وَاضِحٌ

اس دعوے پر وہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مردے بعض اوقات سنتے ہیں۔ اور ان کی روحیں لوٹا دی جاتی ہیں۔ درحقیقت اسی حدیث سے ان کی تردید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حدیث کہتی ہے کہ وہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دیتے ——— اگر یہ لوگ عقل رکھتے ہیں تو سوچیں کہ جو شخص جواب نہیں دے سکتا (یعنی دعا کو قبول نہیں کر سکتا) اس سے دعا کیسے کی جائے گی؟

الغرض حدیث کے متعلق قول فیصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار میں سننے کی قوت پیدا کر دی تھی۔ اور وہ اس طرح کہ اس گھڑی اللہ تعالیٰ نے ان میں ان کی روحوں کو لوٹا دیا تھا تاکہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار کو سنیں جس میں آپ نے انہیں ملامت و سرزنش کی، حسرت دلائی اور انتقام لیا۔ یہ اللہ کا اختیار ہے کہ جو معجزہ چاہے اپنے رسول کے لیے پیدا کر دے۔ بہرحال اس کی حکمت کو کوئی رد کرنے والا نہیں اور نہ اس کی مرضی میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں قتادہؓ سے جو ایک بہت بڑے تابعی امام ہیں، روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اس گھڑی ان مردوں کو زندہ کر دیا تھا تاکہ ملامت و سرزنش کی جائے اور حسرت دلائی جائے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے پتھروں اور حیوانوں سے مخاطب

بھاگتے ہو" مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کافی بڑا وفد بیعت کے لیے آرہا تھا۔ اور اس میں ایک کوڑھی بھی تھا۔ آپ نے فرمایا ٹوٹ جاؤ ہم نے تم سے بیعت کرلی۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا "جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب تم کسی ایسی جگہ موجود ہو جہاں بیماری پھیلی ہوئی ہے تو وہاں سے باہر نہ نکلو"

ان تمام احادیث سے چھوت کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

روزمرہ کے مشاہدات: لوگ ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ اگر ایک تندرست آدمی بیمار آدمی سے ملتا جلتا رہے تو اسے بھی وہ بیماری پہنچ جاتی ہے خصوصاً خارش، کوڑھ اور بخار کی بعض قسمیں بہت جلد ایک جسم سے دوسرے جسم کو پہنچتی ہیں۔

ڈاکٹری تجربہ: جملہ قدیم و جدید ڈاکٹروں اور طبیبوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ چھوت کا وجود ہے اور ہر ڈاکٹر تندرست آدمیوں کو مریض کے پاس رہنے سے روکتا ہے۔

اجماع علماء السلام: بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ ملک شام کی طرف سفر کو رہے تھے اور آپ کے ہمراہ مہاجرین و انصار کی بہت بڑی جماعت تھی۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ معلوم

حدیث لاعدوی

(چھوت چھات نہیں ہے)

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَاعَدْوٰی وَلَاطِیَرَۃَ وَلَاھَامَۃَ — نہ چھوت ہے، نہ بدشگونی ہے، نہ ہامہ

وَلَاصَفَرَ — (مشہور پرندہ) ہے اور نہ ماہ صفر ہے

یہ حدیث ابوہریرہؓ کے علاوہ دوسری صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے

چھوت سے مراد ہے بیماری کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جانا۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے ہونے میں شک نہیں کیا جا سکتا نص صریح، روزمرہ کے مشاہدات، ڈاکٹری اور اہل علم کے اجماع سب اس کے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ۔

نص صریح:۔ بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بیمار اونٹ والا تندرست اونٹ والے کے پاس نہ آئے۔ (تاکہ چھوت نہ ہو جائے) بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوڑھی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے

یا نہ ہونے سے متعلق نہ تھا۔ بلکہ اس بارے میں تھا کہ آپا چھوت سے
بھاگتے ہوئے واپس لوٹا جائے یا اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے
اپنے سفر کو جاری رکھا جائے۔

اس کے علاوہ خوردبین سے بہت سی بیماریوں کا سبب یہ ظاہر ہوا
ہے کہ بہت سے نہایت ہی چھوٹے جانور جسم میں داخل ہو کر اس میں زہر
چھوڑ دیتے ہیں جس کا نتیجہ بیماری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ حیوانات
چھونے اور قریب ہونے سے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل
ہو جاتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لَا عَدْوٰی"
کے معنی کیا ہیں؟

جواب: اس کے دو جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا عَدْوٰی (کوئی چھوت چھات نہیں
ہے) کہہ کر چھوت سے منع کیا ہے نہ کہ اس کی نفی فرمائی تھی۔ یعنی تم میں
سے کوئی آدمی مریض سے نہ چھوئے۔ اپنے آپ کو خواہ مخواہ بیماری کے
لئے پیش نہ کرو۔ بلکہ اس کی جگہ سے بچو۔ اسی کی نظیر یہ آیت ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا — پھر جو آدمی ان مہینوں میں اپنے اوپر
رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ — حج فرض کرے تو حج میں کوئی بیہودہ

ہوا کہ ملک شام میں وبا پھوٹ چکی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ طلب کیا کہ آیا اس صورت میں ہمیں واپس لوٹ جانا چاہیئے یا اپنا سفر جاری رکھنا چاہیئے؟ ایک گروہ نے کہا "جب آپ ایک مقصد کے لئے نکل ہی چکے ہیں تو ہمیں واپس لوٹنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی"۔ دوسرے گروہ نے کہا "آپ کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی ماندہ اصحاب ہیں اس لئے ہمارا خیال ہے کہ آپ انہیں لے کر وبا میں داخل نہ ہوں (کیونکہ اس طرح وبا کا قطعاً خاتمہ ہو جائے گا)۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے واپسی کے لئے بورچ شروع کر دیا۔ ابو عبیدہؓ نے کہا "یہ کیا ہے۔ کیا اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہو؟" حضرت عمرؓ نے کہا "اگر یہی الفاظ تمہارے علاوہ کسی اور نے کہے ہوتے تو تعجب نہ تھا۔ افسوس کہ تم اس قدر سمجھدار اور ذی علم ہونے کے باوجود ایسے الفاظ اپنی زبان سے نکال رہے ہو۔ ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ اچھا فرض کرو کہ تم کسی ایسی وادی میں اترتے ہو جہاں دو کنارے ہوں ایک خشک دوسرے آب و گیاہ اور وہ سرسبز شاداب۔ اگر تم اپنے جانوروں کو سرسبز کنارے میں چراتے ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اور اگر خشک کنارے میں چراتے ہو تو بھی اللہ کی تقدیر سے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ میں [illegible] چھوت کے ہونے

مراد چھوت کی نفی ہو۔

(۲) آنحضورؐ نے لاعدویٰ کہہ کر دراصل چھوت چھات کے اس طریقہ کی نفی کی ہے جیسے لوگ زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ لوگ چھوت چھات اور بدشگونی کے معاملہ میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے اور اس قدر وہم پرستی ان میں موجود تھی کہ وہ مریضوں کی زیارت نہ کرتے تھے اور نہ کبھی ان کے پاس کھڑے ہوتے تھے۔ محض وہم اور بدشگونی کے باعث وہ نہایت ضروری اور ایسے ایسے سفروں سے رک جاتے تھے جن کے جانے کا انہوں نے مصمم ارادہ کیا ہوتا۔ آج بھی بعض معاشرے علم و فضل حضرات موجود ہیں جو اس قسم کی وہم پرستیوں میں مبتلا ہیں۔ اس کا ان کی صحت اور جسم پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ سوکھ کر نہایت نحیف و لاغر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب کوئی تندرست آدمی بھی ان سے مصافحہ کرنا چاہتا ہے تو نہیں کرتے لیکن اگر بہت زیادہ اصرار کیا جائے تو صرف انگلیوں کے شروع حصہ سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور پھر بھی فوراً ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اگر اس میں چھوت کی بیماری ہو تو وہ ہمیں لاحق ہو جائے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ مریض سے ملنا اور اس کی زیارت کرنا مسیح نہیں ہے۔ لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شریعت نے مریض کی زیارت پر نہایت زور دیا ہے اور اسے ایک مستحسن فعل

فِی الْحَجِّ (بقرہ ۲۵۱) گندہ اور کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی تم سے سرزد نہ ہونی چاہیے اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ نہ خود نقصان پہنچانا ہے اور نہ دوسروں سے

یعنی تم سے یہ چیز سرزد نہ ہونی چاہیئے۔ اسی طرح فرمایا۔

لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ عصر کی نماز کے بعد سورج کے غروب ہو

حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوۃَ جانے تک کوئی نماز نہیں ہے۔ اسی طرح فجر

بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ کی نماز کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک

کوئی نماز نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ان دو وقتوں میں نماز نہ پڑھے اس جواب کا صحیح ہونا خود اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ لَا عَدْوٰی کے بعد فرمایا لَا طِیَرَۃَ (کوئی بدشگونی نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ بدشگونی تم سے واقع نہ ہونی چاہیئے۔ اس کے معنے یہ نہیں ہیں۔ کہ بدشگونی لوگوں میں قطعاً تھی ہی نہیں۔ اسی طرح فرمایا لَا ھَامَۃَ وَلَا صَفَرَ (کوئی ہامہ ــــ ایک مشہور پرندہ۔ اور کوئی ماہ صفر نہیں ہے)۔ مقصد یہ ہے کہ ہامہ اور صفر پر تم اعتقاد نہ رکھو۔ جیسا کہ جاہلیت میں لوگ ان پر اعتقاد رکھتے تھے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ لَا عَدْوٰی سے

کہ جس دوستی و شفاعت کی مندرجہ بالا آیت میں نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد مطلقاً دوستی و شفاعت نہیں بلکہ وہ دوستی و شفاعت مقصود ہے۔ جسے کافر و جاہل لوگ اپنے لئے سمجھتے تھے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلٰلٌ (قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہے اور نہ دوستیاں) فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ (غرض اس دن نہ ان کے درمیان حسب و نسب ہوگا اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے) مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔ (تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی کارساز و مددگار نہیں ہے۔

ان تمام آیات میں دراصل مشرکین کے دعووں کی نفی کی گئی ہے۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین لاعبد دنیا میں بھی دراصل جاہل اور غلو کرنے والوں کے غلو کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے بھی قریب تر معنی آپ ہر روز سنتے ہیں۔ جب کوئی کہنے والا کہتا ہے آج مسلمانوں میں خیر کثیر موجود ہے۔ ان کی قوت و سطوت بے پناہ ہے۔ اور ان میں علماء اور اہل فلسفہ پائے جاتے ہیں۔ تو آپ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی چیز مسلمانوں میں موجود نہیں ہے۔ اس کہنے سے آپ کی مراد مطلق طور

قرار دیا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی کسی مریض کی عیادت کو جائے تو ضروری ہے کہ اس کے پاس ہی نہ پہنچ جائے۔ بلکہ کچھ فاصلہ پر ٹھہر کر اشارہ ہی سے سلام کر دے اور واپس لوٹ آئے۔ ——— حقیقت میں اس قسم کی وہم پرستی سے آدمی اسی طرح مریض کی زیارت کو ضرر رسان سمجھنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحبان لوگوں کو خوف اور بدشگونی میں اس طرح کے مبالغہ سے منع کرتے ہیں۔

الغرض حدیث سے جس چھوت چھات کی نفی ہوتی ہے اس سے مراد چھوت چھات کی یہ قسم ہے۔ مطلقاً چھوت چھات سے ہرگز منع نہیں کیا گیا۔ اس کی مثال قرآن کی یہ آیت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (بقرہ ۳۴)

اے ایمان والو! ہم نے تمہیں جو چیزیں بخشی ہیں۔ ان میں سے خرچ کرو۔ قبل اس کے کہ وہ دن آ پہنچے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہے اور نہ کوئی دوستی اور نہ ہی سفارش۔ کافر ہی بے انصاف ہیں۔

قرآن کی متعدد آیات اور آنحضور کی لاتعداد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن دوستی اور شفاعت ایک جائز طریقہ پر ہوگی۔ حالانکہ اس آیت میں دونوں کی نفی کی گئی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم مانیں

اَلْفِتَنُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ

مشرق کی طرف سے فتنوں کا اٹھنا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا "اَلْفِتْنَةُ هٰهُنَا، اَلْفِتْنَةُ هٰهُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ" (فتنہ یہاں ہے، فتنہ یہاں ہے، جہاں سے کہ شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے) یا آپ نے فرمایا "جہاں سے کہ سورج کا سینگ (قَرْنُ الشَّمْسِ) طلوع ہوتا ہے" ——— عبداللہ بن عمرؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرق کی طرف رُخ کئے کھڑے تھے کہ آپؐ نے فرمایا "سنو! فتنہ یہاں ہے جہاں سے کہ شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے" ——— ان دونوں حدیثوں کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت دے اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے یمن میں برکت دے" صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اور ہمارے نجد میں؟" فرمایا "اے اللہ! ہمارے

پر ان تمام پسندیدہ دل کی نفی کرنا نہیں ہوتی۔ بلکہ دراصل اس بیماری
کی تردید مقصود ہوتی ہے۔ جو کہنے والا اپنے الفاظ میں کرتا ہے۔
ان معانی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ فرامین متفق ہیں۔ اور یہ جدید
طبی نظریات کے عین مطابق ہے۔

جو شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ؒ کی سرپرستی میں نجد سے شروع ہوئی
یہ اہل غرض لوگ خیال کرتے اور لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان احادیث
میں دراصل زلزلے اور فتنے کہہ کر اس دعوت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے
جس کا نصب العین ہے کہ

(الف) تمام بنی نوع انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف اپنے خالق کی
طرف رجوع کریں۔ اس کے سوا کسی دوسری ہستی پر بھروسہ و اعتبار نہ کریں
خواہ وہ نبی ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور۔ اپنی زندگی میں صرف انہی ذرائع
کو استعمال کریں جو جائز ہیں۔ اور جن کی شریعت نے اجازت دی ہو جب
وہ ایسا کریں گے تو اپنے پروردگار اللہ کی طرف پلٹ آئیں گے۔ اور اس کے
ساتھ کسی کو نہ پکاریں گے۔"

(ب) "انسان کے لئے اللہ رب العالمین کے سوا کوئی مسلک و مذہب نہیں
ہے۔ تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو
اپنا اسوہ قرار دیں۔ صحابہ کرام رضؓ اور صرف انہیں لوگوں کے نقش قدم پر
چلیں جنہوں نے نہایت عمدگی سے ان کی پیروی کی۔ دین میں کوئی زیادتی
یا کمی نہیں کی اور کوئی من بھاتی بدعتیں اور اختراعات نہیں گڑھیں"

(ج) "مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے اعتقاد اور عمل میں وہاں فوراً رک
جائیں۔ جہاں قرآن رک جائے اور جہاں رسول کی سنت ٹھہر جائے کسی

شام میں برکت دے۔ اے اللہ! ہمارے یمن میں برکت دے۔" صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اور ہمارے نجد میں؟" میرا خیال ہے کہ حضور نے تیسری بار فرمایا "یہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور یہاں شیطان کا سینگ طلوع ہوگا" ——— اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ سالم بن عبداللہ بن عمرؓ نے کہا "اے اہل عراق! نہ میں تم سے کسی چھوٹے کام کے لیے سوال کرتا ہوں اور نہ تمہیں کسی بڑی مہم کے لیے آمادہ کرتا ہوں۔ میں نے اپنے والد محترم عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فتنہ یہاں سے آئے گا۔ (اور آپ نے مشرق کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا) اور فرمایا "جہاں سے کہ شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے" ——— اور آج تمہاری حالت کیا ہے؟ تمہارا بعض بعض کی گردن مار رہا ہے حضرت موسےٰ نے غلطی سے قبطی کو قتل کر دیا تھا۔ پھر بھی اللہ رب العالمین نے ان سے کہا۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا (طٰہٰ ۲)

اے موسیٰؑ! یاد کرو کہ تم نے ایک جان کو (بے گناہ) قتل کر دیا تھا۔ لیکن ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور تمہیں اچھی طرح آزمایا

بہت سے غرض مند اور ہوا پرست جن کا معرفت اور انصاف میں بہت کم حصہ ہے ان احادیث پر اعتماد کر کے اس دعوت سلفیہ کو بدنام کرنے میں

ہم صرف اسی بیان پر اتفاق کرتے ہیں جسے مشہور ترین شارح حدیث نے صحیح ترین حدیث کی کتاب کی شرح میں ذکر کیا ہے یعنی حافظ ابن حجر العسقلانی جو اپنے عہد میں مصر کے قاضی القضاۃ تھے اور جو اپنے زمانہ میں حدیث کے فن اور روایت کے لحاظ سے بے نظیر عالم تھے۔ ہمارے علم کے مطابق کسی نے بخاری کی شرح ان سے بڑھکر نہیں لکھی۔ اور جہاں تک ہمارے علم و واقفیت کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے بعد بھی آج تک کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جو روایت کے علم میں ان کے ساتھ ساتھ یا کم از کم قریب قریب چلا ہو۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "فتح الباری شرح صحیح البخاری" کے جزء ۶ صفحہ ۲۲۰ پر مشرق کی طرف سے کفر کا اٹھنا" کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اور اس میں مجوسیوں کے سخت کفر کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ اہل فارس اور ان کے ماتحت عربوں کی سلطنت مدینہ سے مشرق میں واقع تھی۔ اور ان میں نہایت ہی قوت، غلبہ، تکبر، گھمنڈ اور تعدی پائی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے بادشاہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پھاڑ ڈالا۔ اور مشرق کی جانب سے فتنے ہمیشہ سر اٹھاتے رہے ہیں۔ جیسا کہ ان کا بیان واضح طور پر "کتاب الفتن" میں آئے گا۔"

اس کے کتاب الفتن، جزء ۱۳ میں حدیث "اِنِّیْ لَاَرٰی الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُیُوْتِکُمْ کَوَقْعِ الْقَطْرِ" (میں فتنوں کو تمہارے گھروں میں بارش کی طرح گرتا

قسم کا تساہل اور تغافل نہ کریں۔ ورنہ غفلت و بے اعتنائی برتیں۔ ناگزیر ہے کہ مسلمان اسلام کی حدود کو اس کے احکام کو، اور اس کی سزاؤں کو دنیا میں قائم و نافذ کریں۔ خواہ ایسا کرنے میں مشرکین کے خون کا پیاسا ہو جائے مغرب کی دشمنی انہیں مول لینا پڑے، تمام لوگ اس سے الگ ہو جائیں۔ اور چاہے لوگوں میں سے کوئی انسان بھی قرآنی اصولوں کو نہ اپنائے۔"

(۵) اسلام کے لئے ناممکن ہے کہ اپنی پہلی شان و شوکت، غلبہ اور بام عروج پر آجائے۔ اور اسی طرح دنیا میں ایک تحریک کی شکل میں رونما ہو تاوقتیکہ خود مسلمان کتاب الٰہی اور سنت رسول پر پوری طرح کاربند نہ ہوں۔"

ہاں ان لوگوں نے گمان کیا اور بعض فریب خوردہ انسانوں کو وہم دلایا کہ ان احادیث میں اس جماعت کی اور اس کی اس اصلاح کی مذمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے لے کر وہ ظاہر ہوئی اور جس کا تمام اہل فکر شکریہ بجالائے۔ اور مشرق و مغرب میں اس کی تعریف کی گئی۔

اب ہم اس جگہ بیان کریں گے کہ احادیث کی شرح کرنے والے علماء نے ان احادیث کی کیا تفسیر کی ہے تاکہ جویانِ حق کو حق مل جائے۔ اس کے بعد بھی ایک ہٹ دھرمی کرنے والا اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے، اکڑنے والا اکڑ جائے اور غضبناک ہونے والا ..... غضبناک ہو جائے تو اس کا وبال ہم پر نہ ہوگا۔

ہوئے۔ جسے شیطان بہت پسند کرتا ہے۔ اسی طرح بدعات کی ابتداء بھی اسی سمت سے ہوئی ہے۔ خطابی کہتے ہیں "نجد مشرق کی سمت میں ہے۔ اور جو شخص مدینہ میں ہوگا اس کا نجد عراق کا یا اس کے قرب وجوار کا حصہ ہوگا اور عراق اہل مدینہ کے مشرق میں ہے۔" دراصل نجد ہر اس زمین کو کہتے ہیں جو زمین کی عام سطح سے بلند ہو۔ اور "غور" اس کا الٹ ہے کیونکہ "غور" ہر اس زمین کو کہتے ہیں جو زمین کی عام سطح سے پست ہو۔ اور سارا تہامہ "غور" ہے اور مکہ "تہامہ کا ایک حصہ ہے"۔ ——— اس سے داؤدی کی غلطی بھی ظاہر ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ "نجد عراق کا حصہ ہے" دراصل انہوں نے خیال کیا ہے کہ نجد ایک مخصوص جگہ کا نام ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو اپنے پاس والی چیز کی نسبت سے بلند ہو وہ نجد ہے۔ ہر بلند چیز کا نام "نجد" اور ہر پست چیز کا نام "غور" ہے۔

اس کے بعد وہ کہتے ہیں:

جب ہم نقشہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم عراق کو مدینہ کے شمال مشرق میں پاتے ہیں۔ اور اسی طرح ایران کو بھی۔ اب جب ہم ان فتنوں کی تاریخ پڑھتے ہیں۔ جو صدر اسلام میں یعنی دو خلفاء عثمانؓ و علیؓ اور ان دونوں کے بعد کے امراء و خلفاء کے زمانہ میں رونما ہوئے تو ہم پر صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تمام فتنے نجد کے علاوہ دوسرے ملکوں میں تھے اور

ہوا دیکھ رہا ہوں) نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں۔

"یہ حدیث خاص مدینہ ہی کے لئے تھی اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کا قتل اسی شہر میں ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد فتنے تمام باقی شہروں میں پھیل گئے۔ چنانچہ جنگ جمل اور صفین کا سبب حضرت عثمانؓ ہی کی شہادت تھی۔ اور اس کے بعد جنگ نہروان کی وجہ صفین میں حکم معین کرنا تھی۔ الغرض اس زمانہ میں جو جنگ بھی واقع ہوئی اس کی وجہ یا تو حضرت عثمانؓ کی شہادت تھی۔ یا کوئی ایسی چیز جو اسی قتل کا نتیجہ ہو۔ پھر حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کا سب سے بڑا سبب ان کے گورنروں پر اور خود ان پر نکتہ چینی تھی۔ کیونکہ انہوں نے ہی ان کو مقرر کیا تھا۔ سب سے پہلا ملک جہاں یہ فتنہ رونما ہوا عراق تھا اور سب جانتے ہیں کہ عراق مدینہ کے مشرق میں ہے لہذا اس باب کی حدیث اور حدیث اِنَّ الْفِتَنَ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ (فتنے مشرق سے ہونگے) میں کوئی ٹکراؤ یا تضاد نہیں ہے"۔

اس کے بعد جز ۱۳ ہی کے صفحہ ۳۶ پر فرماتے ہیں۔

"اس زمانہ میں اہل مشرق پوری طرح کفر میں پڑے ہوئے تھے۔ لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنے اسی جانب سے رونما ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ سب سے پہلے رونما ہونے والا فتنہ مشرق ہی کی جانب سے تھا۔ اسی فتنہ سے مسلمانوں میں فرقے بننا شروع

سکتا ہے جسے عدل و انصاف کا کوئی پاس نہ ہو۔ یہ یاد رہے کہ عام طور
فتنہ کا لفظ جنگوں اور لڑائیوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ نہ کہ
طائفہ پر اور فاسد عقیدوں کے لئے۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کریں کہ یہ حدیث
اشارہ نجد ہی کی طرف ہے۔ اور ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ ملک فتنوں
اور جنگوں کا گھر ہے۔ تو اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ عقیدہ جسے دعوت
سلفیہ پھیلا رہی ہے باطل اور ضلالت ہے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا
ہے کہ اس ملک میں بعض خاص واقعات اور خانہ جنگیاں نمودار ہوں گی۔ اور
اس میں کسی کو شک نہیں۔ اس سے ہمیں اختلاف نہیں ہے۔ ہم مانتے
ہیں کہ نجد میں مسلمانوں کے درمیان بعض ایسی جنگیں برپا ہوئی ہیں جنہیں
خدا اور اس کا دین بلکہ خود نجدی باشندے پسند نہیں کرتے مثلاً دولت
اور اس کے بھائیوں کے درمیان خانہ جنگی ہوئی۔ یہاں تک کہ سلطان
عبدالعزیزؒ نے اسے ختم کر دیا اور انہیں ہنس ہنس کر کے ان کی اینٹ
سے اینٹ بجادی۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ دنیا میں وہ کون ملک ہے جو
اس قسم کی خانہ جنگیوں سے بالکل محفوظ رہا ہے؟ بخاری و مسلم میں اسامہ
بن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ٹیلوں پر
ہے ایک قلعہ میں جھانکا۔ اور پوچھا کیا جو میں دیکھتا ہوں تمہیں نظر آتا ہے
صحابہ نے عرض کی "نہیں" فرمایا "میں فتنہ کو تمہارے گھروں میں بارش کی

نجد کا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان سب کی نشو و نما عراق، شام، مصر اور فارس میں ہوئی۔ اس سے بڑھکر کونسا فتنہ ہو سکتا ہے کہ خلفاء اسلام عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا اور حضرت علیؓ اور معاویہؓ، علیؓ اور خوارج اور علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان جنگ کا بازار گرم ہوا۔ لیکن یاد رہے کہ نجد کا ان فتنوں میں قطعاً کوئی حصہ نہیں تھا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ ان میں کسی فتنے کے خون سے نہیں رنگا۔ اسی طرح جب ہم اس زمانہ سے لے کر آج تک کی تاریخ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نجد میں ہرگز اتنے فتنے اور زلزلے رونما نہیں ہوئے جتنے مصر، عراق، شام اور دوسرے ملکوں میں رونما ہوئے لہٰذا کسی ہٹ دھرمی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اپنی ہٹ دھرمی پر جمے قرار رہے۔

اب ہم فرض کرتے ہیں کہ نجد کی موجودہ "دعوت سلیفیہ" ضلالت اور باطل ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا نام "فتنے اور زلزلے" رکھنا زیادہ مناسب تھا۔ یا الحاد، مادہ پرستی، فسق و فجور، بے حیائی اور بے مروتی جو آج تمام مسلمان ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ مذکورہ احادیث کو خاص نجد ہی کے لئے فرض کر لیا جائے۔ اور ان تمام ممالک کا اس سے کوئی سروکار نہ ہو جو سر سے پاؤں تک ان گندگیوں اور بیماریوں میں ڈوبے ہوئے ہیں؟ ایسا صرف وہی

مشرک تھے۔ بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی لوگوں کے ایک گروہ نے کفر کیا اور مسیلمہ کذاب کا اتباع کیا۔ لیکن یہ مخالفین جس عقیدہ سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ وہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت ہے۔ حالانکہ یہ دعوت نجد میں آج سے صرف تقریباً دو سو سال پہلے پائی گئی۔ اور اس سے پہلے نجد کے لوگ بھی دوسرے ملکوں کی مانند شرک و جہالت میں مبتلا تھے اس وقت اور اس حال میں وہ ان مخالفین کے نزدیک ہدایت و رشد پر تھے۔ ان میں کسی قسم کا کوئی فتنہ اور زلزلہ نہ تھا بلکہ وہ حقیقی معنوں میں موحد اور ہدایت یافتہ تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ احادیث اتنا بتاتی ہیں کہ ان میں سے ایک گروہ گمراہ ہوگا۔ ہمیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اب یہ ان مخالفین کا کام ہے کہ اس چیز کی دلیل پیش کریں کہ نجد کی موجودہ تحریک ضلالت اور فتنہ ہے۔ لیکن دلیل آخر۔ یہ گے کہاں سے ان کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ دلیل سے ثابت کریں کہ جو بدعات اور خرافات اس تحریک کے خلاف ہیں۔ وہ ضلالت و گمراہی اور خرافات نہیں ہیں۔

بعض اہل سیرت بیان کرتے ہیں ـــــ بشرطیکہ روایت صحیح ہو ـــــ کہ جب مکہ کے مشرکین دارالندوہ میں جمع ہوئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کو نبٹایا جائے۔ اور آپ کی دعوت سے خلاصی حاصل کرتے

طرح گزتا دیکھ رہا ہوں" ——— پس جب کسی شہر میں فتنوں کا ہونا اس شہر کے عقیدے کے باطل ہونے پر دلیل ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کے عقاید اس وقت بھی فساد سے خالی نہ تھے۔ جبکہ اس میں ہر طرف اسلام ہی اسلام کا چرچا تھا (نعوذ باللہ من ذلک)

علاوہ ازیں ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا شہر نہیں ہے جس میں فتنے نہ نکلے اور شیاطین موجود نہ ہوں تو کیا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام لوگ باطل عقائد رکھتے ہیں۔ تمام شہروں اور ملکوں کے متعلق ایسے ایسے قبیح امور اور ناپسندیدہ عقاید بیان کئے جاتے ہیں۔ جو ہرگز نجد میں نہیں پائے گئے۔ کیا نجد میں وہ چیزیں پائی گئی ہیں جو اس کے علاوہ دوسرے ملکوں میں پائی گئیں؟ وہ کہاں تھا جس نے "اَنَا دِیْنُکُمُ الْاَعْلٰی" کا نعرہ لگایا تھا اور لوگوں نے "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کہہ کر اس کی تعظیم و تکریم کی تھی؟

علاوہ ازیں اگر یہ احادیث کسی ملک کے غلط عقاید کی دلیل ہیں تو ان سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ یہ غلط عقیدہ کبھی زائل نہ ہوگا۔ اور لوگ کبھی اس سے نجات نہ پائیں گے۔ احادیث سے محض اس کے موجود ہونے کا پتہ چلتا ہے سو اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دوسرے لوگوں کی طرح نجد کے رہنے والے بھی

ساتھ اجلاس برخاست ہوا۔

اس واقعہ کو بہت سے جاہل دلیل بنا کرتے ہیں۔ وہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ شیطان کا نجدی بزرگ کی شکل میں آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اہل نجد کے عقائد انتہائی خراب و غلط ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایسا استدلال کرنا سراسر جہالت اور دوسروں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقعہ دینا ہے۔ واقعہ سے اس کے خلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش ——— اور وہ وہ لوگ تھے جنہیں ہم اہل حل و عقد، اہل تدبیر اور صحیح الرائے سمجھتے ہیں۔ اور جو اس زمانہ میں فہم و فراست، تیز فہمی، صحت فکر اور سلامتی رائے میں بے نظیر تھے۔ نجد کے لوگوں کو اپنا راہ نما اور لیڈر، ریاست دان اور دینی امور میں پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ اور ان کی سیاست دانی کا لوہا مانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے اجلاس میں اس وقت شیطان کو بھی داخل کر لیا جبکہ اس نے اپنے آپ کو نجد کی طرف منسوب کیا۔ اور اپنے نجدی ہونے کا دعوے کیا حالانکہ یہ اجلاس وہ تھا جس میں قریش کے لیڈروں اور چوٹی کے سیاست دانوں کے سوا کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اسی کے قول کو قول اور اسی کی رائے کو رائے تسلیم کیا۔ اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شیطان نجدیوں کے ناخن تدبیر کو پہچانتا اور جانتا تھا کہ قریش بھی اسے پہچانتے ہیں۔ یہ نجدیوں کی انتہائی تعظیم اور تعریف و ستائش ہے حالانکہ ان لوگوں نے اس کے خلاف گمان

کے لیئے ایسی تدابیر سوچی جائیں جن سے آخرکار آپکو شہید کر دیا جائے
تو ان کے پاس شیطان ایک نہایت ہی بزرگ باعزت اور پرہیزگار
آدمی کی شکل میں آیا اور کہنے لگا کہ وہ اہل نجد سے ہے اور ان کے
پاس اس لیئے آیا ہے کہ اس مشکل معاملہ میں جس میں قریش کے عقلمند
سرداروں کی عقلوں کو بھی چکرا دیا ہے اپنی رائے کا اظہار کر سکے اور یہ
مشکل معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کی دعوت کا تھا مشرکین نے اسے
مرحبا کہا اور اسے دار الندوہ میں بیٹھنے کی اجازت دے دی، اور وہ اس
اجلاس میں صرف اسی شخص کو بیٹھنے کی اجازت دیتے تھے۔ جسے وہ نہایت
ہی سمجھدار، اہل تدبیر، دور بین اور معقول رائے والا خیال کرتے تھے۔
اب وہ مختلف تدبیریں سوچنے لگے اور نجدی شیخ ——— جیسا کہ وہ
اپنے آپ کو ظاہر کرتا تھا ——— ان کی تمام تدابیر کو کمزور ظاہر کر کے ایک
ایک کو رد کر دیتا تھا۔ لیکن آخری تدبیر کو اس نے کارگر قرار دیا اور وہ یہ تھی
کہ قریش کے تمام قبیلوں میں ایک ایک بہادر، جنگجو اور نڈر جوان چن لیا جائے
اور اسے ایک تیز دھاری تلوار دی جائے۔ اب تمام نوجوان اکٹھے ہو کر
اپنی تلواروں کے ایک ہی وار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
شہید کر دیں۔ اور پھر ان کے خون سے جو تمام قبیلوں میں بانٹ دیا جائے
اس تدبیر کی سب نے متفقہ طور پر تائید کی۔ اور اسی کے پختہ ارادہ کے

اے عبد القادر! تم اپنی دینی سمجھ کی ہدایت میرے پیچھے سے نکلے ورنہ اس سے پہلے میں بہت سے عبادت گزاروں اور زاہدوں کو اسی طرح گمراہ کر چکا ہوں۔

واللہ اعلم بالصواب

کیا ہے۔ اگر شیطان یہ جانتا کہ اگر وہ اپنے آپ کو نجد کے علاوہ کسی اور ملک کی طرف منسوب کرے گا تو وہ اسے اجلاس میں داخل کر لیں گے۔ تو اسے اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرنے میں رکاوٹ نہ تھی۔ لیکن شائد کہ اگر وہ ایسا کرتا تو اسے دھتکار دیتے۔

شیطان کسی صورت میں آتا اور کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں وہ لوگوں کو گمراہ کرنے اور دین کی راہ سے برگشتہ کرنے کے لئے ان علماء اور عبادت گذاروں کی شکل اختیار کرتا ہے۔ جو راہ نمائی اور دین میں مشہور ہوتے ہیں۔ کسی آدمی کے پاس آکر کہتا ہے میں اللہ ہوں اور میں تم پر فلاں فلاں چیزیں جو دوسرے لوگوں پر حرام ہیں حلال کرتا ہوں ——— تاکہ اس طرح اس کے دین اور عقل میں خرابی پیدا کی جائے۔ شیطان کے اپنے آپ کو بعض لوگوں یا بعض ملکوں کی طرف منسوب کرنے سے ان لوگوں اور ملکوں میں کوئی نقص نہیں آتا۔ بسا اوقات وہ صالحین یا ان لوگوں کی شکل میں آتا ہے۔ جنہیں وہ صالح خیال کرتا ہے۔ تاکہ اس طرح خدا کے بندوں کو دھوکہ دے کر گمراہ کر سکے۔ چنانچہ روایت ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو ایک مشہور صالح عالم تھے۔ شیطان آیا اور کہا "اے عبدالقادر میں رب العزت ہوں اور میں تمہارے لئے فلاں فلاں چیزیں جو دوسروں پر حرام ہیں حلال کرتا ہوں"۔ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "بھاگ جا تو مردود شیطان ہے"۔ شیطان نے کہا

تقویۃ الایمان

حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی شہرہ آفاق کتاب تقویۃ الایمان نئی تہذیب و تبویب کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت ادارہ اشاعۃ السنہ حاصل کر رہا ہے۔ ادارے نے بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ مختلف نسخوں کی فراہم ان کا تقابل، صحیح انتخاب، پھر ابواب و فصول اور ذیلی عنوانات قائم کر کے نامکمل احادیث کی تکمیل قرآن پاک کی آیات اور احادیث کے حوالے درج کر کے اس کتاب کی افادیت کو دہ چند زیادہ کر دیا ہے۔

مولانا غلام رسول مہر نے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ کا اضافہ کر کے حضرت شہید علیہ الرحمۃ کی مقدس اور قابل رشک زندگی پر روشنی ڈال کر اور کتاب کے بعض خصائص آشکارا کر کے اس کی موجود اشاعت کو اس سے پہلے کی تمام اشاعتوں سے برتر و ممتاز کر دیا ہے۔

ادارہ اشاعۃ السنہ بشیش محل روڈ۔ لاہور